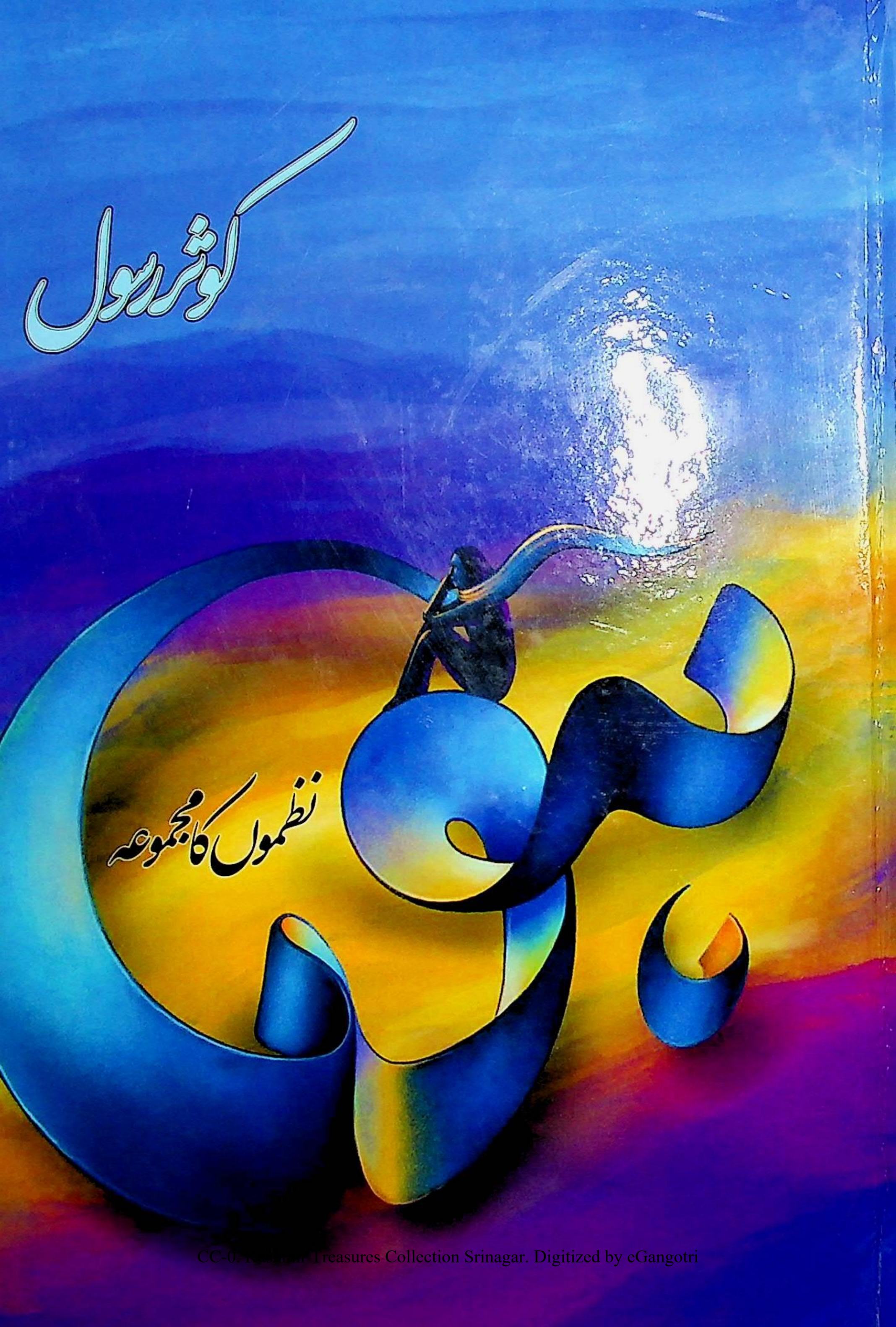

کوثر رسول
نظموں کا مجموعہ

"ہوں"

نظموں کا مجموعہ

کوثر رسول

کتابی دُنیا دہلی

HOON

by

Kausar Rasool

ISBN : 978-93-84270-39-1
Year of Edition : 2022
Price Rs 250:/-

نام کتاب	:	ہوں
شاعرہ وناشر	:	کوثر رسول
سن اشاعت	:	2022
صفحات	:	160
تعداد	:	500
سرورق	:	اختر رسول (مرحوم)
قیمت	:	250/-
مطبع	:	ایچ۔ایس۔آفسیٹ پرنٹرس، دہلی

ملنے کا پتہ

شعبۂ اردو کشمیر یونیورسٹی، حضرت بل
سرینگر کشمیر
E-mail: kausarrasool11@gmail.com
Mobile Phone No: 9419777499

SANDESH PRAKASHAN

Distributor
Kitabi Duniya
1955, Gali Nawab Mirza, Mohalla Qabristan,
Opp. Anglo Arabic School, Turkman Gate, Delhi-110006 (INDIA)
Mob: 9313972589, 8929421423, 8826741174
E-mail:kitabiduniya@gmail.com

اِنتساب

بلھے شاہ کے نام

رب بندے وچ ایہویں وسدا
جیویں کپڑے وِچ روح
اپنے آپ نوں واحاں مارے
آپ کرے ہُو ہُو

کوثر رسول

کسی نے مٹکے سے پوچھا!

''تم اتنے ٹھنڈے کیوں رہتے ہو؟''

مٹکے نے مسکرا کر جواب دیا

''جس کا ماضی، حال اور مستقبل سب

مٹی سے بنا ہو تو تکبر اور گرمی کس بات کی!''

بلھے شاہ

فہرست

'ہوں' کا سفر

اِنسان روزِ اول سے ہی اپنے ہونے اور نہ ہونے کی کشمکش میں مبتلا ہے۔'ہونے' کا تصور اس کی کشمکش کو مزید پیچیدہ بناتا ہے تو'نہ ہونے' کا احساس اسے احساسِ کمتری' احساسِ شکست کی طرف لے جاتا ہے اور یہ احساس انسانی انا کا مقبرہ بن جاتا ہے کیونکہ ایسی صورت حال میں 'ہوتے ہوئے' بھی انسان کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔اب اگر ایسے میں کوئی شخص اس کشمکش کو خاطر میں لائے بنا' برملا یہ اعلان کرے کہ میں'ہوں' اور پھر جب وہ شخص ایک عورت ہو تو لازمی طور نہ ہونے کے سارے بُت چکنا چور ہو جاتے ہیں۔کوثر رسول نے اپنے مجموعہ کلام'ہوں' میں یہی اعلان کیا ہے اور بنا نگ دہل کیا ہے۔

'ہوں'...... یہ کوثر رسول کہہ رہی ہیں۔

'ہوں'...... یہ ایک کشمیری عورت کے جذبات ہیں۔

'ہوں'...... یہ ایک کشمیری شاعرہ کی آواز ہے۔

اور یہی کہا تھا ارنی مال نے'لل دید نے'حبہ خاتون نے......

اور آج کی تاریخ میں یہی کہہ رہی ہیں کوثر رسول۔اپنی شاعری میں وہ گھونگھے ہونٹوں کو آواز دے رہی ہیں۔اُنہیں گویائی کا درس دیتی ہیں۔اُن کی نظمیں بے چارگی اور

بے بسی کا رونا نہیں روتیں۔ اُن کی نظمیں 'ہونے' کا احساس دیتی ہیں۔

گو کہ کوثر سے پہلے بھی کئی خواتین شعراء نے اپنے ہونے کی بات کی ہے اور کوثر بھی وہی کر رہی ہیں لیکن میری نظر میں ان کو جو اعزاز حاصل ہونا چاہیے وہ اُن کے کون و مکان کا ہے۔

کئی سال پہلے کشور ناہید نے کہا تھا.....

یہ ہم گنہگار عورتیں ہیں

جو اہل جبہ کی تمکنت سے نہ رُعب کھائیں

نہ جان بیچیں

نہ سر جھکائیں

نہ ہاتھ جوڑیں

مجھے پورا یقین ہے کہ کوثر بارہا ایسی ہی کیفیت سے گزری ہونگیں۔ انہیں 'اہل جبہ' کے رعب سے پرے بھی کئی اور مسائل سے جوجنا پڑا ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے قسمت سے یا بدقسمتی سے ایسی سرزمین پر جنم لیا ہے جہاں 'اہل جبہ' سے پرے بھی کئی اور ہیں جو صرف اپنی بات کو ہی حرفِ آخر سمجھتے ہیں۔ لیکن کوثر نے ہمت نہیں ہاری وہ اپنی بات کہنے پہ بضد تھیں اور بضد رہیں۔ انہیں اس بات کا ادراک تھا کہ پروین شاکر سچ بول کے بھی ہار جائے گی کیونکہ کوئی تھا جو جھوٹ بول کے اُس کو لاجواب کرنے کا ہنر جانتا تھا۔ کوثر نے جھوٹ بولنے والے کو اپنی تخلیقات میں جگہ نہیں دی بلکہ اُسے فقط حاشیے پر رکھا اور حاشیے سے آگے بڑھنے نہیں دیا۔

کوثر کی شاعری میں ایک عورت ہے' جسے تکلیف ہے لیکن یہ عورت تکلیف

سہنے کا فن جانتی ہے۔ یہ اپنے ہونے کا احساس دلانا چاہتی ہے۔ یہ شکایت نہیں کرتی، دھیے دھیے الفاظ میں اپنی بات کہنے کی کوشش کرتی ہے۔ وہ اپنے اظہار میں جارحانہ نہیں کیونکہ وہ جانتیں ہیں کہ جارحیت رشتوں کے لیے تیزاب ہے اور وہ یہ بھی جانتی ہیں کہ عورتوں کے حوالے سے مردوں میں اگر کچھ تعصب ہے تو اُس کا فکری طور ہی توڑ کیا جا سکتا ہے۔ کوثر کی نظم 'سُر کے بیتر' میں یہ بات کھل کے سامنے آتی ہے۔

.....میں گروجی کو کیسے کہوں کہ
میری سانسیں تو کب کی اُکھڑ چکی ہیں
میں چُپ سادھے
خالی خالی نظروں سے
گروجی کی طرف دیکھتی ہوں
جو سُر کو ایشور مانتے تو ہیں
مگر سُر کے بیتر جھانکنے کا ساہس نہیں رکھتے۔

کوثر کی شاعری کی سب سے بڑی خاصیت یہ ہے کہ وہ زندہ رہنے کا فن سکھاتی ہے۔ وقت کتنا بھی ظالم ہو کوثر زندگی کے دامن کو تھامے رکھتی ہیں او بنا نگ دہل اعلان کرتی ہیں..... کہ زندہ رہنا مجبوری نہیں بلکہ بہادری ہے۔ (وقت تو کتنا ظالم ہے)۔

کوثر نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ اپنی شاعری میں قید کیا ہوا ہے۔ ایک چلبلی لڑکی جو اپنے اسکول کے پائی کے پیڑ کے قریب سٹاپو کھیلتی ہے، جب باقی بچے آلو، مٹر، چھولا پوری اور ڈبل بسکٹ کھاتے ہیں تو وہ گھر سے ملنے والی چونی سے خریدا چیونگم چباتی ہے لیکن جب وہ پیڑ سڑک کی کشادگی کے لیے کاٹ دیا جاتا ہے تو پائی کا آسیب

کوثر کی یادوں کے جزیروں میں بھٹکتا ہے۔ (پائی کا پیڑ)۔

کوثر کی شاعری میں راگ ہیں، موسیقی ہے، ساز ہیں لیکن اُس کے سُر اُس کے اپنے ہی۔ وہ اپنے سُروں پر کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتیں ہاں اگر کوئی سچ مچ اُن کے راگ کا احترام کرتا ہے تو اُسے وہ دعوت دیتی ہیں کہ۔

ہمارے سُر ایک نہیں ہیں
میرا وادی کا سُر مدھم اور کومل ہے
اور آپ سموادی کے سُر شڑچہ نکالتے ہیں
اگر راگ گانا ہے تو
شڑچہ سُر کو کومل مدھم میں ڈھالنا ہوگا
تین تال کا راگ ہے
ایسے کیسے الاپوں
آؤ میرے سُر سے سُر ملاؤ
اور یہ راگ وادی سموادھی کے مدھم سروں
میں گائیں۔ (وہ اک راگ)

کوثر سوال کرنے سے نہیں ہچکچاتیں۔ وہ جانتی ہیں کہ وہ عورت ہے، پاروتی، کالی، منداکنی، کامنی، پدمنی، سرسوتی، لکشمی، مدھ گالنی، چترتی، ہستنی، سدمنی، سیتا، دروپتی، روپ کنور، شاہ بانو۔

پاروتی سے شاہ بانو تک کوثر نے عورت کو پیش آئے امتحانوں کا ایسا احاطہ کیا ہے جو اردو شاعری میں بہت کم ملتا ہے۔ کوثر کا سوال... 'کیا میں نصف بہتر

ہوں' ایک ایسا سوال ہے جو بہت کم اردو کی نسوانی شاعری میں ابھارا گیا ہے۔

جہاں کوثر سنجیدہ سوالوں سے جوجتی دکھتی ہیں وہیں وہ شاعری کی رومانی روح کے تقاضوں کا بھی ادراک رکھتی ہیں اور انہیں نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیتیں۔ کوثر کی نظم 'یاد' اس بات کا زندہ ثبوت ہے.....

'جانتی ہوں کہ
مجھے بھولے نہیں ہو
مجھے ہر لمحہ ہر پل
یاد کرتے ہو
کہ میری ہچکیاں بھی
صبح سے جاری ہیں۔'

یا پھر کوثر کی ایک اور نظم 'امید'.....

'امیدوں کا بھوجا کیسے ڈھوؤں
دل کو خوب چھانا میں نے
مگر پھر بھی تیری امید
چھننی پر دری ہی رہی۔'

کوثر کا مجموعہ کلام 'ہوں' اردو شاعری میں ایک صحت منداضافہ ہے۔ اُن کی نظمیں آج کے دور کی نظمیں ہیں۔ ان کی نظمیں اس بات کا اعلان ہیں کہ انسانی ذہن کی پروانہ کو کسی طرح کی کوئی قدغن روک نہیں سکتی۔ اُن کی نظم ایک ایسا پرندہ ہے جو

پنکھوں کے ٹوٹنے کا ماتم نہیں مناتا بلکہ اُس تکلیف کو اپنی طاقت بنا کر اونچا اڑنے کی تگ ودو کرتا ہے۔ اُن کی نظم ایک ایسا تیراک ہے جو تنکے کے سہارے ساحل سے جا لگنے کا ہنر جانتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جب یہ مجموعہ اردو شاعری کے عاشقوں اور ناقدوں تک پہنچے گا تو اس کی خوب پذیرائی ہوگی۔

بشیر منظر

☆☆☆

ھوں

میں نے اپنے پلو میں
چند باجرے اور چاول کے دانے باندھ لیے
برے وقتوں کے ڈر سے
بزرگوں سے سنا تھا کہ
رزق کی قدر کرنی چاہیے
راستہ چلتے چاول کے جھوٹے بکھرے دانوں کو چن کر
روٹی کے ٹکڑوں کو اٹھا اٹھا کر
کنارے رکھ لیتی
دستر خوان پر گرے جھوٹے دانے سب کی نظریں بچا کر منہ میں بھر لیتی
کہ رزق کی بے حرمتی نہ ہو
پھر میرے مولا
میں نے ایسا کیا کیا کہ
میں متکبر اور مغرور کہلاؤں؟

میں تو نیستی کو ہی ہستی مانتی ہوں
کیا شعور کو وجود پر فوقیت حاصل نہیں ہے!
گر ایسا ہے تو
چہرے کی سختی
دل کی نرمی پر حاوی کیسے آسکتی ہے!
میرے چہرے کی جھریاں
میرے تلخ تجربوں کی غماز نہیں ہیں!
میرا شعور، میرا وجدان
دھوکا یا فریب تو نہیں
''میں ہوں''
یہ شعورِ ذات ہے
یہی سچا علم ہے
میرا درک میرے وجدان کا حصہ ہے
''میں ہوں''
''ہوں'' یا ''نہیں ہوں''
ہوں اور نہیں ہوں'' کے درمیان''
تصادم، کشاکش جاری ہے
جس کی ابتدا دسترخوان پر گرے ٹکڑوں کو چیکے سے منہ میں بھرنے سے ہوئی تھی

جو رستہ پر بکھرے چاول کے دانے چن کر
روٹی کے ٹکڑے اٹھا اٹھا کر کنارے پر رکھنے کے عمل میں پوشیدہ تھی
''میں ہوں''
یہ تکبر نہیں
غرور نہیں
میں ہوں ''ایک سوال ہے''
استفسار ہے
اس ذات سے
جس نے شعورِ ذات کا سبق دیا
جس نے میں سے تو
اور تو سے میں کے درمیان پردہ حائل رکھ کر بھی
نہیں رکھا کچھ درمیان
اب میں کس کو بتاؤں!
اس لیے خاموشی سے
چند باجرے اور چاول کے دانے
چن کر پلو میں باندھ رہی ہوں
یہ عمل اب بھی جاری ہے۔

☆☆☆

پائی کا پیڑ

میں نے بھی بچپن میں سٹاپو کھیلا تھا
پائی کے پیڑ کے قریب
جس کے ٹک شوپ کے اندر بیٹھے امیر بچے
آلو مٹر، چھولا پوری اور ڈبل بسکٹ کھاتے تھے
اور میں روز کی ملی چوّنی سے
ایک چیونگم خریدتی تھی
اور پھر دن بھر اسی کو چباتی رہتی
میٹھا ختم ہونے کے بعد بھی
پھینکنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ پھر اس سے بھی ہاتھ
دھو بیٹھوں گی
سکول سے چھٹی کے وقت میری کن پٹیوں اور سر میں درد
ہوتا تھا
دن بھر کے چبانے کی مشقت کا صِلہ مجھے ہر

روز یہی ملتا تھا

پائی کے پیڑ سے بڑی یادیں منسوب ہیں
ہم لکڑ لکڑ کھیلتے تھے تو
ہر دو پھیروں کے بعد پائی کے پیڑ کی بار آتی
اور تبھی کوئی نہ کوئی آؤٹ ہو جاتا
کیونکہ اس پیڑ کے قریب کوئی دوسرا پیڑ نہ تھا
یوں تو وہ دیودار کا پیڑ تھا
خدا جانے وہ بونا کیوں تھا!
مگر ہم بچوں میں بے مقبول تھا
اور اب سنا ہے کہ وہاں کوئی پیڑ نہیں ہے
سڑک کشادہ کرنے اور فلائی اُوور کی
بلندی کی خاطر
اس بونے پیڑ نے خود کو خوشی خوشی زمین
بوس کر دیا ہے
اور اب پائی کا آسیب ہماری یادوں کے
جزیروں میں بھٹکتا رہتا ہے

☆☆☆

انوکھا بچپن

بھولی لڑکی
تو کیوں اداس ہے؟
تیرے ہاتھوں کے کنول کیوں مُرجھا گئے ہیں؟
تیرا چہرہ فق کیوں ہے؟
تیری آنکھیں کس نکتے پر ٹھہری ہیں!
دیکھو تو
تمہاری گڑیا بھی کس قدر حیران و پریشان ہے!
تمہاری معصومیت کہاں کھوگئی؟
تمہارا لڑکپن کہاں چھپ گیا!
یہ کس نے تم سے تمہارا بھولپن چُرایا!
اے ننھی پری
کس نے تم سے تمہاری ساحری چھین لی
تمہاری ہنسی کھوکھلی کیوں ہے؟

تو کیوں اداس ہے؟
تو کیوں پریشان ہے؟
یہ آگہی کی شراب تم کو کس نے پلائی ؟
اور کیوں کر پلائی
ابھی تو تم نے پوری آنکھیں بھی نہ کھولی تھیں
کہ سارے منظر تمہارے سامنے منجمد ہو گئے !

☆☆☆

تعلق

تم شہر میں ہو
جانتی ہوں
یہ آج کی بات نہیں ہے
بلکہ
تم نے جس گھڑی اس شہر کی سرحد پہ
قدم رکھا تھا
میری خوابیدہ آنکھیں
میرا تنفس
میرے دل کی دھڑکن
ایک دم سے متحرک ہوئے تھے
مجھے کشف ہوا
کہ تم میرے اطراف میں موجود ہو
مگر یقین و بے یقینی کی کیفیت

آج ہی ٹوٹی

اور مجھے ماننا ہی پڑا

کہ کوئی ربط نہ ہوتے ہوئے بھی

میرے دل سے تمہارا تعلق آج بھی استوار ہے

☆☆☆

جنہیں ملنا نہ ہو

جنہیں ملنا نہ ہو
وہ کیوں جیون رستے میں آتے ہیں؟
پل پل تڑپاتے ہیں
دل میں اترتے ہیں
روح میں بس جاتے ہیں
تصور میں جھانکتے ہیں
اور چپکے سے پوچھتے ہیں
کیا ہم یاد آتے ہیں؟

☆☆☆

خواہش

میرے پاؤں تھرکنا چاہتے ہیں
ایک ایسی دھن پر
جو ایک مدت سے
میرے تخیل کے ساز پر بج رہی ہے
جس کو بجانے والے ہاتھ
مجھے اپنے سے لگتے ہیں
ان ہاتھوں کو چھوئے بغیر ہی
میں ان کے لمس سے مانوس ہوں
میرا حلق غزل سرائی کے لیے بے قرار ہے
وہ ایک ایسا گیت چھیڑنا چاہتا ہے
جو آج تک اُس نے نہیں گایا
جس کے الفاظ
جس کے بول

میرے نہ ہوتے ہوئے بھی
میرے اپنے دل کی آواز ہے
جس کے حرف حرف سے میرے لب آشنا ہیں
جس سے میری روح متعارف ہے
میری آنکھیں قوس قزح کے رنگوں سے
چُندیانہ چاہتی ہیں
میرا وجود پروا کے سنگ اڑنے کے لیے مچل رہا ہے
بارش کی نرم پھوار میں بھیگنا چاہتا ہے
میں زندگی کے ہر رنگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہوں
اپنے ہاتھوں سے چھونا چاہتی ہوں
کیا ایسا ممکن ہے؟

☆☆☆

مِتھ (Myth)

میں آزاد ہوں

آج دنیا بھر کے لوگ یہی کہہ رہے ہیں

ایوانوں میں ہر طرف اسی کے چرچے ہیں

میں خوش ہوں کہ

میں نے صدیوں کی غلامی سے نجات حاصل کی ہے

میرے پاؤں ان چاہی بیڑیوں سے آزاد ہیں

میری اوڑھنی پر ست رنگ مور پھنک

چسپاں ہو چکے ہیں

میں خوش نما تیتری کی مانند اُڑ کر

اپنی جیت کی خوشی کا جشن منا رہی ہوں

میں آزاد ہوں

مگر

کیا واقعی میں آزاد ہوں؟

مجھے کیوں ان ایوانوں سے دبی دبی ہنسی کی
آوازیں آتی سنائی دے رہی ہیں؟
مور کے پنکھ سچے ہیں یا
اس کے پاؤں کی بدصورتی
یہ کیسا معمّہ ہے!
اُف!
میرے پاؤں میں یہ کیسی ان دیکھی بیڑیاں ہیں؟

☆☆☆

کچھ کہو

کچھ کہو
کچھ تو کہو
کوئی تیر سی بات
کوئی خنجر سا لہجہ
میرے نام کرو
کوئی سوکھا ہوا پھول
کوئی ٹوٹا ہوا تارا
مجھے بھیج دو
کوئی جھوٹا آنسو
کوئی بودا جذبہ
مجھے دے ڈالو
بہت دن گزرے
بہت راتیں بیتیں
مجھے کچھ نہ ملا
میں بہت خالی ہوں
میں بہت تنہا ہوں

☆☆☆

سُر کے بیتر

ہاں سنو
وادی سُر مدھم
اور سموادی سُر شڈج ہے
یہ راگ تین تال پر آدھارِت ہے
اف او پہلے آروہی کے سُر لگاؤ
سا۔نی۔دھا۔ما۔گا۔۔ما۔گا۔سا
ہاں اب اوروہی میں
دھا۔نی۔سا۔ما
گا۔ما۔دھا۔نی۔دھا۔ما۔گا۔سا۔
اب الاپ لو
دیکھو اس راگ کو اسی سمے راتری کے تیسرے پہر ہی مکمل
کرنا ہے
جلدی جلدی سُروں کو سمجھ کر الاپ لو
نہیں ''رے''، نہیں

رے کا سُر انو چِت ہے یہاں

یہ بھیم پلاسی نہیں

راگ مال کوس ہے

ایک کام کرو

پہلے سا اور پا کے سُر میں الاپ لو

دھیان کہاں ہے تمہارا؟

تمہاری سادھنا میں ہر دن وگنہ کیوں پڑتا ہے

لمبی سانس لو

سا۔آ.......

مگر میں

میں گرو جی کو کیسے کہوں کہ

میری سانسیں تو

کب کی اُکھڑ چکی ہیں

میں چپ سادھے

خالی خالی نظروں سے

گرو جی کی طرف دیکھتی ہوں

جو سُر کو ایشور مانتے تو ہیں

مگر سُر کے بیتر جھانکنے کا ساہس نہیں رکھتے........

☆☆☆

پاداشت

پیاسی آنکھوں کے خالی کٹورے
کسی بھکاری کے بے کار کشکول کی مانند
سکّے کی چھن کی آواز سے کوسوں دور
ایک موہوم سی امید کا دامن تھامے
آگے بڑھنے کی کوشش میں
میں الجھتی ہوں لچکتی ہوئی ٹہنیوں سے یک بار
اپنے مضمحل وجود کو دھکیلتے ہوئے
ظلمات سے گزر کر
سائیں سائیں جنگل کو روندتے ہوئے
میں سحاب کی تلاش میں صحراؤں میں نکل آئی ہوں
میرے پاؤں کیکٹس کے خنجروں سے لہولہان ہو چکے ہیں
میرا حلق الاتش الاتش چیخ رہا ہے
موجِ سراب کی جستجو میں، میں بھٹک رہی ہوں تنہا

وہاں
جہاں سورج کی شاعیں روپوش ہوکر خود میں سمٹ گئیں
ہیں
موجِ سراب کی جستجو میں
میں بھٹک رہی ہوں
شاید اس کرب سے نجات ملے' یہ مسافت بحرصورت کم
کیوں نہیں ہوتی ؟
بیشتر کہ حشیش کا اثر زائل ہو جائے
کاش! کہ
ایک ناگہاں رعد کوند کر
میرے پورے وجود کو خاکستر کر دے!

☆☆☆

اکثر شام کی تنہائی میں

چاند کی اِک ہلکی آہٹ
آنگن میں اترتی ہے
دل پہ دستک دیتی ہے
اکثر شام کی تنہائی میں
رات کی گہری خاموشی میں
چپکے چپکے بنتی ہوں
خواب کے ریشم دھاگوں سے
آنکھوں کی گہرائی میں
اک انجانی سی
من مانی سی
خواہش کی سنجوتی ہوں
جذبوں کی دھیمی آنچ میں ان کو
خوب پکارتی رہتی ہوں
اکثر شام کی تنہائی میں

رات کی گہرائی خاموشی میں
چاند کی اجلی دھوپ میں ان کو
ہڑکاتی ہوں، پھڑکاتی ہوں
اجلی چاند کی دھوپ میں یوں ہی
دھیمے دھیمے ہڑکولوں سے
رنگ کھل کر گہرا ہوتا ہے
تو کتنا اچھا لگتا ہے
لیکن خواب ہیں
آخر خواب ہی رہتے
کب یہ پورے ہوتے ہیں
آنکھوں سے پلٹ کر واپس
من کی دھرتی پر، گر گر کر
جانی مانی خواہش میں ڈھل کر
رات کی کالی چادر تن کر
بے سُدھ پڑی ہی رہتی ہے
اکثر شام کی تنہائی میں
چاند کی ہلکی آہٹ پر
ایسا ہوتا رہتا ہے
میں جُڑتی اور بکھرتی ہوں

☆☆☆

وقت تو کتنا ظالم ہے

وقت تو کتنا ظالم ہے
تجھے رحم کیوں نہیں آتا!
بے بس دلوں پر
بے خواب آنکھوں پر
پژمردہ زندگیوں پر
گھائل گھائل خواب سلجھانے والی انگلیوں پر!
تو نے بھی کسی پر رحم نہیں کیا
مگر دیکھ
ہم پھر بھی تجھ سے دامن نہیں چھڑاتے
اس لیے نہیں کہ زندہ رہنا مجبوری ہے
بلکہ اس لیے کہ زندہ رہنا بہادری ہے
ہمارے جینے کا سبب ہے۔

☆☆☆

تنہائی

تنہائی زہر ہے
جس کو ہر شام میں
گھول کر پی جاتی ہوں
اور پوری رات میرا بدن
نیلگوں رنگ میں نہاتا رہتا ہے
صبح تڑکے ہی میں نکل آتی ہوں
خول سے باہر
اور پھر بھیڑ میں گم ہو جاتی ہوں

☆☆☆

خواب و خیال

زندگی خوب صورت خیال ہے
جس کے خمار میں ہم بدمست ہو جاتے ہیں
خلاؤں میں تخیل کے بے لگام گھوڑے دوڑاتے ہیں
خوب صورت خیاباں میں داخل ہو جاتے ہیں
جہاں ہوش و خرد کی دنیا کا کوئی
باشندہ نہیں ہوتا
صرف ہم خیال ہیولے متحرک نظر آتے ہیں
جو خراماں خراماں اس خونی رقص میں شامل ہو کر
ہمارے اور زمین کے درمیان خطِ تنسیخ کھینچ دیتے ہیں
اور ہم تا عمر ایک ایسے خول میں بند ہو جاتے ہیں
جس سے باہر نکلنے کی خو ہمارے اندر ہمیشہ
کے لیے دم توڑ دیتی ہے
ہم خلاء میں خالی بھٹکتے رہتے ہیں
اور یہ خلیج بڑھتے بڑھتے
خواب و خیال ہو جاتی ہے۔

☆☆☆

گر فرصت ملے

کام کام کام..... کتنا کام
سانس لینے کی فرصت بھی نہیں
دفتر، ٹیبل، فائلیں، کمپیوٹر
اور فائلوں پر جھکا ہوا سَر
کی بورڈ پر تھرکتی انگلیاں
کتنی تیزی سے کام میں مصروف ہیں
اور میرا دل بے کار میں الجھ رہا ہے
خود سے، کہ فرصت کے اوقات بھاری پڑ رہے ہیں
کسی کی مصروفیت میرے اعصاب پر ہتھوڑے مار رہی ہے
اور میں سوگواری و مایوسی کی دبیز چادر اوڑھے
اپنے ہاتھوں کا سرہانہ بنا کر
تھکے ہوئے سر کو ٹیک رہی ہوں ان پر
اور دل پھر خاموش گلیاروں میں کہیں
بھٹک رہا ہے تنہا

☆☆☆

خود سپردگی

ریشمی دھاگے
اعتماد کی چرکھی سے
پھسل کر کھُل جاتے ہیں
اور میں اداسی کی گہری دلدل میں
دھنستی ہی چلی جاتی ہوں
عقب میں کھڑے پیتل کا بُت
جسے اپنے فہم کی آگ
اور سانسوں کی آنچ سے تپا کر
ذرا سے تأمل اور جھجک کے بعد گھڑا تھا
ایک سڈول، سانول ہیولے میں ڈھالا تھا
وہ مسکرا کر اپنے قریب بلاتا ہے
میں اس کی مقروض ہوں
میں نے اس کے رنگوں کو لہو کی مانند بہتے دیکھا ہے
وہ بہہ رہا ہے

اور میرے ہونٹ پیاس کی تپش سے خشک ہو رہے ہیں
اپنے وجود کی بے زاری کا
زرد رنگ میرے اندر گھر کر رہا ہے
مگر میں لاتعلق
اس تپش کو اپنے اندر بسائے
سحر بُننے کی بے لاگ خواہش کے ہاتھوں
اپنے ہی وجود کی توسیع کا جرم کر رہی ہوں
اس کی ہٹ
اور میرا کھچاؤ
اس کشمکش کو بڑی رکھائی سے روند کر
آگے بڑھ رہی ہوں
اور آخری حیلے کا مان بھی توڑ رہی ہوں
مگر اس سرمئی رنگ میں
سرمئی سایے کا کساؤ مزید تنگ ہو جاتا ہے
اور میرے حلق سے آخری چیخ نکل جاتی ہے
میں اپنے ہی وجود میں جل، تپ اور پگھل کر
بہہ رہی ہوں
اور درد کے داغ میں ڈھل رہی ہوں
جواب میرے جسم پر تِل کی مانند اُگ آیا ہے۔

☆☆☆

لوڈ تِھنکنگ

LOUD THINKING

دوستی کی پیدائش سے لے کر
دوسری سالگرہ تک
تمہارا چہرہ پگھلتا، لرزتا
پیشانی کی لکیروں سے ہوکر
یاداشت کی گھنی جھاڑیوں میں کھپ چکا ہے
میں حاشیے پر کہیں
کسی سیاہ نقطے کی صورت منتظر ہوں
منتظر ہوں اس بات کی
کہ کب تم مرکز سے ہٹ کر
میرے دل کو اپنی ہتھیلیوں میں لے کر تسکین دو گے
میرا مریل سا دل
جو راتوں کی بے خواب ہواؤں سے ڈرتا ہے
دریاؤں میں نہاتی، بلکھاتی، خُنک ہوائیں

زرد خاموشی کو چیر کر وجود سے ٹکراتیں ہیں
تو ذہن کے کونوں کے جالے ہٹ جاتے ہیں
اطراف دھوئیں کی لکیریں بنتی بگڑتی ہیں
میں اپنی نبض کو ٹٹولتی ہوں
تو تمہارے لب بھی ہلتے ہیں
تم مجھے میلے، مرجھائے حروف کی خلعت پہناتے ہو
یہ خاموش اور سنجیدہ مہربانیاں مجھے
گرمی اور حرارت دیتی ہیں
جو جذبوں کے لمس سے بھی آگے کی گرمی ہے
یہ حرارت میری رگوں میں ایک امانت کی طرح
مجھے میری اداسی سے لڑنے کی قوت بخشتی ہے
تمہارا ماضی جو فقط تمہارا ہے
ان دو سالوں کے عرصے میں
اس ماضی سے جتنے بھی بگھولے اُڑے ہیں
وہ میرے دل سے ہو کر
میرے حال میں بھی دھول اُڑاتے داخل ہوئے ہیں
اس واسطے
تمہارا ماضی اب میرا بن چکا ہے

میری یادداشت کی جھاڑیوں کی تہوں میں

کھپ چکا ہے

کیا پتہ کہ

ذہن کے کونوں میں نئے جالے اُگ آئیں ہوں

جسے وقت کا نہ جانے کون سا لمحہ

یا حادثہ جھاڑ کر صاف کر دے

کیوں نہ کچھ باتیں وقت پر چھوڑ دیں

اور لوڈ تھِنکنگ Loud Thinking کا مان رکھتے ہوئے

آؤ آج اپنی دوستی کی دوسری سالگرہ منا لیں۔

☆☆☆

ماڈرن وومن

(Modern Women)

میرے وجود کے کئی حصے ہیں
میری ذات کئی خانوں میں بھٹ چکی ہے
میں ماں ہوں، بیوی ہوں، بہو بھی ہوں
میں بیٹی و بہن بھی ہوں
ہاں یاد آیا
میں شاعرہ بھی ہوں ادیبہ بھی
اور اُستانی بھی
مہینے کی آخری تاریخ کو میرے ہاتھوں میں
ایک موٹی رقم بھی آتی ہے
جو بیس تک آتے آتے ختم بھی ہو جاتی ہے
گھر کا سودا سلف، دودھ والا، سبزی فروش
بچوں کے سکول کی فیس

ان کے کپڑوں، کھلونوں، ویڈیو گیم، باربی ڈول

سب خرچ ہو جاتا ہے

میری ذات کے ان کئی خانوں میں

میرے کھاتے میں کیا کبھی کوئی سِکّہ گرتا بھی ہے!

میں فیشن کے نِت نئے ڈیزائن کی پوشاکیں بھی

بنواتی ہوں

میچنگ جیولری، پرس اور

جوتے بھی خرید لاتی ہوں۔

پرفیوم بھی فارِین چاہیے مجھے

کہ جس کی خوشبو میرے ذہن کے پردوں پر رقصاں ہو کر

میرے وجود کو معطر کرتی رہے

میرے ہاتھ میں سماٹ فون بھی ہے

ریولان کی فارین و تجھی لِپسٹک بھی چاہیے

جس سے میرے ہونٹوں کی مسکان دوبالا

ہو جاتی ہے

میں یہ سب کرتی ہوں

کہ میں آج کے زمانے کی ماڈرن وومن ہوں

جو تمام پارٹ بڑی خوش اسلوبی سے نبھانا

جانتی ہے
مگر میرے وجود کے ان تمام حصوں میں
ذات کے اِس بٹوارے میں
میں کہاں ہوں؟
میری ''میں'' کس خانے میں ہے!
میں اپنی ذات کی بازیافت میں گُم ہوں
اور لوگ یہی کہتے ہیں کہ مجھے
''ہینگ اُوور'' (Hangover) ہو گیا ہے۔

☆☆☆

سُرمئی شام میں

سُرمئی شام میں
گونگی خاموشی کا کُہرا اچھٹتا ہے
کوئی آہٹ خوشبو کی
یادوں کے گچھے سے دھاگوں کی کئی گرہیں کُھل
جاتی ہیں
اور ایک متحرک ہیولہ روشن ہوکر مجھے
بادلوں کے اس پار
کھیلے چاند کی سفید زمین پر لے جاتا ہے
اور پھر میری آنکھوں کے ساحل سے
سارے دُکھ چُن لیتا ہے
میں دھیرے دھیرے آنکھیں موند کر
نیند کی آغوش میں چلی جاتی ہوں
اور میرے ہونٹوں پر مدھر مسکان کھل جاتی ہے

☆☆☆

محبتوں کے دُکھ عظیم ہوتے ہیں

تمہارے رنگ کتنے کچے ہیں
لال، پیلے، ہرے سب رنگ کچے ہیں
میں پھیکے رنگ کب چاہتی تھی پہننا!
مگر تم نے میری زندگی سے
سارے رنگ چھین کر
مجھے خاموش چاہتوں کے سفید لبادے میں
مقید کر دیا
اور اس کو میرا مقدر ٹھہرایا
اب مجھے بھی لگتا ہے کہ
مجھ پر یہی رنگ جچتا ہے
سفید دکھ نہیں سُکھ کی علامت ہے
کتنا سکون اور راحت ہے اس رنگ میں
کہ
محبتوں کے دُکھ بھی عظیم ہوتے ہیں

☆☆☆

چاہت

نمی نمی شام میں
بادل کے حصار میں
پور پور پگھل کر
بوند بوند ٹپکوں
خاموش چاہتوں کی
چادر بُنتی رہوں
اور تھکن اوڑھ لوں
تھکن اوڑھ لوں جسموں کی
بدن کے سارے موسموں کو سبز کرلوں

☆☆☆

اجنبی

تمہارا کہنا ہے کہ
میں دل میں کسی کرائے دار کو بساؤں
میں تمہاری بات پر مسکراتی ہوں
اور جھوٹی ہنسی بھی ہنستی ہوں
مگر میں ہی جانتی ہوں کہ
دل سے کیسی ہُوک اٹھتی ہے
آنکھیں ضبط کی شدت سے سلگ اٹھتی ہیں
اور لب غم کی زیادتی سے کپکپا اٹھتے ہیں
میں ایک لمبی سی آہ کھینچ کر رہ جاتی ہوں
اور ذہن کہیں دور خلاء میں بھٹکنے لگتا ہے

☆☆☆

انا کی ہار

دنیاداری نبھاتے نبھاتے
کسی دن خود مٹ جاؤں گی
یہ راہ ورسم، یہ تعلق خاطر
کب دل نے چاہا تھا کہ
میں یہ سب کروں
یہ رسمی گفتگو سوہانِ روح تھی
میں تو کچھ اور کہنا سننا چاہتی تھی
مگر وہ زمانے کی بدلی ہوا
سیاست کا حال
موسم کی غیر معتدل صورتِ حال کو
زیرِ بحث لے آئے
اور میں گومگو کی سی کیفیت میں
فقط ہوں، ہاں تک ہی اپنے

لب ہلا سکی

میرا ذہن ایک ہی نکتے پر اٹک چکا تھا
پھر میری آنکھوں میں سراسیمگی کا غبار بھرنے لگا
جس کو کئی بار آنکھیں میچ کر صاف کرنا چاہا
مگر بے سود
سامنے کا منظر مزید دھندلا گیا
اب شاید اس غبار کو آنکھوں کا پانی
ہی صاف کر سکے
لو ہو گیا
اب خوش!

☆☆☆

اعتراف

گئے دنوں کی مسافتوں کی تھکن
میرے پورے وجود میں تحلیل ہو کر
اس کا حصہ بن چکی ہے
جسے میں نے خوشی خوشی قبول بھی کر لیا
کہ مقدر سے لڑنا ہمارے حدِ اختیار سے پرے ہے
مگر یہ کیسا احساس ہے!
جو ازسرِ نو مجھے آمادۂ سفر کر رہا ہے
کیوں میں اس بلاوے پر کان دھر رہی ہوں
اس دستک کی بازگشت میرے
اندر باہر ہر جگہ بدستور جاری ہے
میری آنکھیں کیا پھر کسی نئے خواب کی منتظر ہیں!
میرے دل کا ساز کیوں کسی نئی دھڑکن پر بجنے لگا ہے
اب میں کس زعم میں اپنا سر اونچا رکھوں!

☆☆☆

میں نے وقت کو پہلے ہی سونگھ لیا تھا

میں نے اپنے کاندھوں پر زندگی کا بوجھ
صدیوں تک ڈھویا
میرے ناآسودہ خواب میرے اندر
جذب ہو چکے تھے
روح اور جسم کے رشتے کی مضبوطی کی خاطر
میں صلیب پر بھی لٹکی
زہر کا جام بھی میں نے خوشی خوشی لبوں سے لگا لیا
کہ مجھے سچ کو دیکھنا ہی نہیں
محسوس بھی کرنا تھا
اس کے لمس کو اپنے اندر اتار لینا تھا
میرا وجود نیلم سے ہوتے ہوئے گہری شام میں
ڈھل گیا
مگر میری جستجو رائیگاں گئی

تجربات کی بھٹی میں جل تپ کر بھی
مجھے مُکتی نہ ملی
مجھے نروان حاصل نہ ہوا
پھر میں نے جسم کو روح سے آزاد کر دیا
چھاؤں سے خود کو دھوپ کی اور منتقل کر دیا
عیش وعشرت کے ہنگاموں سے دور
دلفریب منظر میں گم
میری سادھنا کا آغاز ہوا
پھر ایک ایک کر کے سارے منظر صاف ہونے لگے
وہ منظر جو درد و کسک سے مربوط
مگر روح کی غذا کا سامان یہیں تھا
میں نے وقت کو پہلے ہی سونگھ لیا تھا

☆☆☆

نیا سفر

چلو زندگی کے ایک نئے باب کا آغاز کریں
ایک نئے سفر کا جس میں ہم ساتھ چلیں
ایک نئی سمت کی اور بڑھیں
ایک ہی منزل کا تعین کریں
جس کی طرف بڑھتے ہوئے ہمارے تھکے تھکے قدم
ایک نئی تازگی و توانائی کے منتر کے طفیل
تیز تیز آگے بڑھیں
بلا کسی خوف و ہراس کے
سابقہ مسافتوں کے سارے دکھ
درد اور صعوبتیں
حرفِ غلط ثابت ہوں
زادِ راہ کے طور پر
امید روشن امید کی آرزو کو

پوٹلی میں ڈال رخت سفر باندھ لیں
اور جب منزل طے ہو جائے
تو سکون، راحت اور اطمینان کی بشارت
خود آگے بڑھ کر ہماری پیشانی پر
ابدیت کی مہر ثبت کر دے

☆☆☆

وھم

وہ میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے
پر نہ جانے کیوں
میری آنکھیں متلاشی ہیں
سوچ بھٹک رہی ہے
نظر اس سمت جہاں وہ ہے
اٹھ کر انجانے زاویوں میں بدل کر جھک جاتی ہے
آنکھوں میں سنلاخ چٹانوں جیسی سختی
جیسے
جیسے مدتوں سے بے حس پڑی
ایک ایسی بانجھ زمین جو
سال ہا سال سے ایک بوند پانی کو ترستی رہی ہے
اور آج
آج جب بادل اسے اپنے حصار میں لینا چاہتے ہیں

تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں!
ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ بادل گرم شاعوں میں تبدیل نہ جائے
وہ مجھے یوں متذبذب دیکھ کر کچھ مضطرب سا ہو گیا ہے
اور اپنی بھوری آنکھوں میں اعتماد کی شمع جلائے
مجھے میری خوش بختی کا یقین دلانے کی
کوشش کر رہا ہے
مگر شاید
اسے خود اپنے وعدوں کا اعتبار نہیں
یا پھر اسے یہ پتہ نہیں کہ
زحل اس کے ستارے کے ساتویں
گھر میں داخل ہو چکا ہے۔

☆☆☆

گناہ

گناہ چھوٹا ہو یا بڑا
گناہ، گناہ ہی ہوتا ہے
گناہ کے معنی و مفہوم میں
کوئی تضاد تو واقعہ نہیں ہوتا
کیا فرق پڑتا ہے
بڑے یا چھوٹے سے!
لذت اُس میں بھی ہے
لذت اِس میں بھی ہے
چھوٹی لمحاتی لذت جو بڑے گناہ کا
نتیجہ ہوتی ہے
اس کی چھینٹیں تا عمر
ہمارے دامن کو داغدار کرتی رہتی ہیں
اندر گھٹن، حبس اور پچھتاوے کچوکے

دیتے ہیں
اور ہم گناہ و ثواب کے پلڑوں
کو برابر کرنے کی کوشش میں
لمحاتی، چٹخاروں کے کفارے کے طور پر
تنہائی، مایوسی اور محرومی کے کرب کو اپنا
مقدر ٹھہراتے ہیں
اور تب اس بات کا یقین ہو جاتا ہے
کہ بڑا اور چھوٹا گناہ یکساں نہیں ہوتا
چھوٹے گناہ میں واپسی کی راہیں
ہمیشہ کھلی رہتی ہیں

☆☆☆

میرا سچ

ہم دونوں کا ایک سچ نہیں ہے
اور ہو بھی کیسے سکتا ہے
آپ نے جس کو محبت سمجھ لیا ہے
میرے خیال سے وہ چھلاوا ہے
آپ کے جذبوں کی تسکین مل کر ممکن ہو
مگر میرا سکون واطمینان
میرے ضمیر کے رہین منت ہے
وہ ضمیر جس کی میں جاگیر ٹھہری
جو میری سوچ، فکر، جذبہ، خواہش
سب پر قابض ہے
اور یہ قبضہ جبری بھی نہیں ہے
میں نے خود اس کو تمام اختیارات سونپ دیئے ہیں
کہ میرا ضمیر میری روح کے تابع ہے

وہ روح جس کی راحت کا سامان کچھ اور ہے
اور جس کی تلاش میں، میں کب سے
سرگرداں عمل ہوں
یہی میرا سچ ہے
جو آپ کے سچ سے الگ ہے

☆☆☆

نِروان

موہ اور، مایا جال سے پرے
نروان کی تلاش و جستجو میں
میں آبلہ پا سر بریدہ، سرپٹ
بھاگ رہی ہوں
بھاگ رہی ہوں ایک ایسی منزل کی اور
جس کو دیکھنے کی چاہت میں
میں کم سنی میں ہی بوڑھی ہو چکی تھی
میں نے اپنے بالوں سے چاندی کے کئی تار
کھینچ کر
ان سے اپنی جوانی کے دنوں کو باندھ لیا تھا
تا کہ کوئی لمحہ بھی لمحہ، فکر سے، گر کر
بے سود نہ ٹھہرے
میں موہ کے تمام بندھنوں سے کٹ کر

مایا کے چھلاؤں سے کوسوں دور
موکش کے مارگ پر
دھیان، دھرم اور درشٹی کے توسط سے
خود کو گیان کے سمکش سمرپت کر چکی ہوں
اور یہی گیان وِداتا کو ارپن کرنا ہے اب
کہ کیول ''گیان'' ہی ہے جو
وجود سے آزاد ہے
اور روح کی سچائی سے متّصف بھی
یہی نروان بھوگنے کا اک ماتر
وکلپ ہے
اور نروان نشچنت ہے۔

☆☆☆

وہ اِک راگ

وہ اِک راگ
جو میرا بھی ہے اور آپ کا بھی
فرق صرف اتنا ہے
کہ
ہمارے سُر ایک نہیں ہیں
میرا وادی کا سُر مدھم اور کومل ہے
اور آپ سموادی کے سُر شٹر چہ نکالتے ہیں
اگر راگ گانا ہے تو
شٹر چہ سُر کو کومل مدھم میں ڈالنا ہوگا
تین تال کا راگ ہے
ایسے کیسے الاپوں!
آؤ میرے سُر سے سُر ملاؤ
اور یہ راگ وادی سموادی کے مدھم سروں
میں گائیں

☆☆☆

آپ کی سوچ

ارے رہنے دیں نا
کتنا کام
پھر سہی
کسی اور دن
دو گھڑی بیٹھ کر کر لیں گے
دل کی، دھڑکن کی، خوابوں، خیالوں کی باتیں
کچھ ایسے لمحوں کی باتیں
جو صرف ہمارا ہوگا
وقت کو روک لیں گے کہیں
اور چند گھڑیاں جی لیں گے
اک ایسی زندگی
جو ہماری ہے بھی نہیں بھی
آوازوں کے جنگل سے آگے

خاموشی میں مدغم ہوں گے
دھڑکن دھڑکن ساز چھیڑیں گے
آنکھیں موندیں، بےسُدھ، بےپرواہ
کوئی گیت گنگنائیں گے
لمحہ لمحہ
قطرہ قطرہ
جی لیں گے
اک ایسی زندگی
جو ہماری ہے بھی نہیں بھی
اور پھر
اپنے اپنے رستے ہو لیں گے

☆☆☆

نئی صُبح

ہر کدورت مٹ چکی ہے
دھول، مٹی، گرد غبار چھٹ چکے ہیں
ہر منظر صاف، دھلا دُھلایا بالکل
پہلی بارش کے بعد کی صبح جیسا
مٹی کی سوندھی خوشبو میں نہائی صبح
چپکے سے آپ کے دروازے پہ دستک دے
تو کیا کیجئے گا
کواڑ کھولیں گے

یا

اپنی سماعتوں پر خاموشی کے پہرے بٹھا دیں گے!

☆☆☆

بچپن جیسا ایک دوست

بے ضرر، معصوم، پیارا
بچپن جیسا ایک دوست
جو عمر کے اِس حصے میں ملا
جب بچپن کیا
جوانی بھی چھپ گئی تھی
اور بڑھاپے کے زینے پر میں پہلا قدم
رکھ چکی تھی
بچپن سے بڑھاپے تک کا خلاء
جو درمیاں ہے
اب سے کیسے پاٹوں؟
وقت کو کیسے واپس پلٹ دوں؟
آگہی سے چھل کروں؟
شعور سے آنکھ مچولی کھیلوں

یا پھر ایسا کروں

خواب کے آنگن میں چھپ جاؤں

پھول، خوشبو، تتلی کے سنگ

اس بند دروازے کے بیتر جاؤں

جہاں عقل کی شمع ماند پڑی ہے

اور میں دبے پاؤں داخل ہو جاؤں

اور زینہ زینہ اُتروں

زینہ زینہ اُتر کر

چاند کی زمین پر

شام کے ستارے کے کان میں سرگوشی کروں

اور شفق شفق پھیلوں

اپنے دامن میں ستاروں کو چُن کر

اس کے دامن میں بھر دوں

وہ جو بے ضرر، معصوم

بچپن سا دوست ہے میرا

☆☆☆

سچ تو بولو

عکس ہے کس کی آنکھوں میں
میں ہوں' میری چاہت ہے؟
من کی الجھن موں ہے پھر کیوں!
دل دھڑکن' درپن' راحت ہے
نینوں کے جھالر کو کھولو
پلکیں پلکیں یوں نہ موندو
نین تمہارے' میری آنکھیں
درپن درپن روپ نہارے
سچ کا سپنا نین یہ پالے
من کو راحت' تن مدھمائے
من کے بیتر تم بھی دیکھو
میری چاہت' سچ تو بولو!

☆☆☆

باتیں... بس... صرف باتیں

کتنی باتیں کرتی ہیں آپ؟
بہت ساری
ڈھیر ساری
کیا کیجئے گا اتنی باتیں کر کے؟
کیا کوئی سنتا بھی ہے
آپ کی باتیں؟
ان باتوں میں کیا رکھا ہے
یہ لفظوں کا گورکھ دندہ ہے
جن کا اثر اب ماند پڑا ہے
کہ سحر سامری کا بچھڑا مر چکا ہے
آپ کیا کیجئے گا خالی باتیں کر کے؟
یہ لفظ بھی کھوکھلے ہیں
آپ کی طرح

یہ باتیں جھوٹی ہیں ٹھیک آپ کی طرح
جب جھوٹ کا ڈنکا بج رہا تھا
چُپ سادھے کون کھڑا تھا!
اور اب جب سچ روشن ہو چکا ہے
خاموش رہنا ہی بہتر ہے
کتنی باتیں کرتی ہیں آپ!
کیا ہی اچھا ہو کہ
چپ سادھ لیں، مون ہو لیں اور
ہونٹ سی دیں ہمیشہ کے لیے

☆☆☆

میں ناری ہوں

میں ناری ہوں
ابلہ ناری
شِو کی اردھانگنی
کبھی پاروتی
تو کبھی کالی
مجھے اِندر نے اپنی سبھا کا اہم پاتر مانا
میں منداکنی ہوں، کامنی اور پدمنی بھی
میں سرسوتی کا روپ بھی ہوں
کہ میرے مستیکش سے علم و ہنر کے سوتے بھی پھوٹے
میں نے لکشمی کی صورت میں
نِردھن کو دھنی کیا
میں جب مدھگالنی ہوئی
تو ویدوں کے منتر بھی لکھے

رقص، رس اور گاین کے سارے گُھن
میرے اندر ہیں
میں چترتی، ہستنی، سدمنی بھی بنی
میرے یہ تمام روپ، کس لیے ہیں؟
اور کس کے لیے ہیں؟
میں تو سیتا بھی بنی
جس کو لکشمن ریکھا پھلانگنے کارِن اپنے ہَرن
سے چکانا پڑا
میں وہی سیتا ہوں
جس کو رام نے دھنش توڑ سوئمبر میں جیتا تھا
رام جو میرا امان ہے
جس نے میرے سمان کی خاطر
راون کو شکست دی
مگر میں وہی سیتا ہوں
جس کی اگنی پرِکشا بھی ہوئی
میں دروپتی بھی بنی
پانچ پانڈووَں کی دروپتی
جس نے حیاتیاتی محکومیت کو اپنا مقدر ٹھہرایا
کہ

اس صورت میں اسے پانچ محافظ مل رہے تھے
مگر میں وہی دروپتی ہوں
جو جوئے میں ہاری گئی
جس کے وستر چیر کے وقت پانچ محافظوں نے
سر جھکانے پر اکتفا کیا
مجھے اپنے ایمان کا بدلہ لینے
اپنی لاج بچانے کے لیے کرشن کو بلانا پڑا
کرشن جس کی میں سکھی تھی
میں آج بھی وہی ابلہ ناری ہوں
جس کی تقدیر میں ستی ہونا لکھا ہے
میں روپ کنور ہوں
شاہ بانو ہوں میں
کہ جس کے ماتھے پر طلاق کا بدنما داغ
سجا دیا گیا
اور جس کی عزت کی قیمت ہر مہینے پچیس
روپے ٹھہری
میں وہی ہوں
جس کو نصف بہتر کہا گیا ہے
کیا میں حقیقت میں نصف بہتر ہوں؟

☆☆☆

دستک

بارہ سال کی عمر میں اِک خواب بُنا تھا
بڑی ہونے کی خواہش نے
جب دل پہ دبے پاؤں دستک دی تھی
تو میرے دل کے اندر ایک کونپل پھوٹی تھی
میں نے چاند کی ہلکی آہٹ پر اپنی آنکھیں کھولیں تھیں
چاند کے چہرے پر وہی اِک خواب لکھا تھا
جس جو دیکھ
میرے چہرے کے عجیب زاویے بن رہے تھے
بگڑ رہے تھے
کبھی میں کھلکھلاتی، کبھی شرماتی، لجاتی
کبھی روٹھ جاتی، تو کبھی آپ ہی مان بھی جاتی تھی
میں ساتھ میں گہری نیند میں لیٹے ساتھی کو دیکھ
اس کے ہونٹوں کی مدھم مسکان پر

آپ بھی مسکرائی تھی

پھر میں نے ہلکے سے

اس پیشانی پر آئے بالوں کو

اپنی انگلیوں کی پوروں سے ہٹایا تھا

جب وہ مدھم مسکان گہری ہونے لگی

تو میں ایک دم سے گھبرائی تھی

شرمائی تھی

اور شرمائے ہوئے انداز میں ہی

میں نے دھیرے سے اس کے

پھیلے ہوئے بازو پر اپنا سر رکھ دیا تھا

تو اس نے ایک معصوم شرارت میری

بند آنکھوں پر ثبت کر دی

ہم سرشار سے' مسرور سے چاند کو تکتے رہے

جو ہمیں ہی بڑے رشک سے دیکھ رہا تھا

اور اب میری

میری آنکھوں میں دوبارہ اسی خواب کے

سائے لہرانے لگے ہیں

بتاؤ

پلکیں دھیمے سے بند کرلوں

یا

اپنی آنکھوں میںچوں

کیا کروں؟

☆☆☆

ایسا کیوں ہے

میرے اندر باہر
ہر جگہ خاموشی ہے
یوں لگتا ہے کہ مجھے خاموشیوں نے
چاروں طرف سے گھیر لیا ہو
کم گو تو میں پہلے بھی تھی
مگر اب لگتا ہے کہ گونگی ہو چکی ہوں
کچھ کہنے کے لیے منہ کھولتی بھی ہوں
مگر
کوئی لفظ آواز میں نہیں ڈھل پاتا
میں تو آپ سے پوچھنے والی تھی
کہ ایسا کیوں ہے؟

☆☆☆

بس اتنی سی خواہش ہے

بس اتنی سی خواہش ہے
کہ میں کسی کی خوشی
نہ کہ مجبوری بنوں
کسی کی راحت
سکون اور عادت بننا چاہتی ہوں
بس اتنی سی خواہش ہے کہ
کوئی ہو جو میرے دل
میری روح میں تحلیل ہو
جو میری آنکھوں سے گر
دنیا نہ بھی دیکھے
جو میرے ذہن سے نہ بھی سوچے
تب بھی مجھے اتنی اجازت تو دے
کہ میں دیکھوں اور سوچوں اپنی مرضی سے

بس اتنی سی خواہش ہے
کہ میرے وجود کو
میرے ہونے کا اثبات تو ملے
میرے پاؤں میں کوئی بیڑی
کوئی زنجیر نہ ہو
کیا فرق پڑتا ہے
کہ میرے پنکھ نہ بھی ہوں
پر مجھے اِذنِ پرواز تو ملے
بس اتنی سی خواہش ہے
کوئی میرے اندر کے موسموں کو سمجھے
میں ہنسوں، روؤں، روٹھوں، غصہ کروں
تو کوئی ہو جو میرے سنگ
میرے ہر جذبے کو جیے
بس اتنی سی خواہش ہے
بنا کہے ہی کوئی میرے چہرے کے
ہر زاویے کو بھانپ لے
میرے تناؤ، میری جھنجھلاہٹ کو
نرم پھوار میں بدلے

بس اتنی سی خواہش ہے
کہ کوئی ہو جو میرے لاشعور کے
تمام خدشے، خوف کی ان دیکھی
پرچھائیوں کو میرے وجود سے الگ کرے
کوئی ہو جس کی گود میں
میں اپنا سر رکھوں اپنی آنکھیں موند کر
گہری نیند کے ہڈکولوں میں جھولتی رہوں
جو اپنی ملائم انگلیوں کی پوروں سے
میرے بالوں کو سہلاتا ہوا
مجھے پھر اسی Wonder Land میں لے جائے
جو بچپن میں Fairy Tales کی صورت میں
میں نے دیکھا تھا
اور کئی بار خود کو ایلس (Alice) میں سمجھا تھا
بس اتنی سی خواہش ہے کہ
کوئی ہو جو میرے ہاتھوں کو تھام کر
مجھے ہواؤں کے دوش پر
ایک ایسی دنیا میں لے جائے
جو تمام الجھنوں، پریشانیوں اور دکھوں سے آزاد ہو

جہاں رات کی رانی اور گل شبو کی رسائی نہ ہو
بلکہ زہرہ وثریا کا جھرمٹ ہمارے استقبال میں
ہم پر گلِ اشرفی اور نور کی شعائیں نچھاور
کر کے ہمارے قدموں میں مشتری کی
چابی رکھ دیں
اور ہم پھر تا ابد
اسی دُنیا میں رہیں
بس اتنی سی خواہش ہے۔

☆☆☆

بے عنوان متن

میں ایک بے عنوان متن ہوں
کیا مجھے پڑھنا چاہو گے؟
تم مجھے میری طرح پڑھو گے
یا اپنی سہولیت کے حساب سے
اپنے حوالوں سے کام لو گے؟
اس قرأت سے چٹخارے دار معنی کیسے نکالو گے
میری زندگی کی تلخیوں کو نچوڑ کر
یا پھر فریب کو سولی پر چڑھا دینا ممکن ہے؟
وہ قدیم دروازے جس کی چوکھٹ پر عافیت
کی دعائیں مانگی جاتی ہیں
کیا فریادرسائی کا کوئی اور جدید، معقول بدل
پیدا ہو چکا ہے؟
مگر فریب کو زندہ رکھنا بھی ضروری ہے
تمہاری سروکار کیا ہے؟

سنو مجھے پڑھتے رہو
کہیں ایسا نہ ہو کہ تم احتیاط کو ملحوظ نہ
رکھ پاؤ
اور میرے دکھ، تمہارے دکھ نہ بن جائیں
میرا وِزڈم، تمہارا وِزڈم نہ ہو جائے!
کہیں تم تھک نہ جاؤ
یا پھر انجانے میں لمحہ لمحہ ٹوٹ نہ جاؤ
پھر چیزیں ہتھیلیوں سے پھلستی ہوئی محسوس ہوں گی
سارے سابقہ معانی ملغوبے معلوم ہوں گے
اس سے پہلے کہ آنکھوں سے مصمم ارادے
کی چمک غائب ہو جائے
اپنے اندر پالے ہوئے یقینوں کو تقویت دو
اور میرے زندہ متن کو کوئی معنی پہنا دو
بے خبر معصومیت آخر کام آ ہی جاتی ہے
تم بے فکر ہو جاؤ
اور اپنے وِزڈم کو اثبات دو
میں بھی رو کر تمہارے یقینوں میں دراڑ نہ ڈالوں گی
ہزیمت کا ایک آنسو نہ بہاؤں گی

☆☆☆

کشف

کچھ مت کہو
کچھ بھی نہیں
نہ وقت کی کمی، اس کی بے رحمی کا گلا
نہ ملنے کی خواہش کا اظہار
بس خاموش رہو

اور
میں بھی کچھ نہ بولوں گی
خاموشی سے بیتے لمحوں کو جی لوں گی
کیا پتہ پھر موقعہ ملے یا نہ ملے
میری چھٹی حس اب جاگ چکی ہے
یادوں کی بے آواز دستک میرے دل کے
دروازے پر ہوتی رہے گی
آنکھوں میں دبی دبی درد کی پرچھائیاں متحرک

ہوں گی

دکھ جتنا جتنا پھیلے گا

اذیتیں جیسے جیسے پروان چڑھیں گی

ویسے ویسے خودنگر اور خود پسند اناؤں کی

تسکین ممکن ہوگی

اپنی شخصیت خود منکشف ہونے کا معجزہ جو

کبھی کبھی پل بھر کے لیے ہوتا ہے

آج پھر دیکھنے کو ملا۔

☆☆☆

پیشن گوئی

میری دادی کہا کرتی تھیں
زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہوجاتا ہے
تو کیا واقعی میں
میرا دل مردہ ہوچکا ہے!
کیا وجہ ہے کہ
میں اپنے اندر عجیب سی سوگواری
دکھ، چُبن، خلش محسوس کرتی ہوں!
ہنستے ہنستے تو میری آنکھیں بھی چھلک پڑی تھیں
پھر اندر سوکھا
اکال کیوں پڑا ہے؟
دکھ میرے پورے وجود میں سرایت کر کے
پرت پرت دل کی زمین پر بیٹھ چکا ہے
اور ہر پرت، ہر تہہ کے ساتھ

یادوں کے یلغار نے
میرے جذبوں کو پامال کرنے کی کوئی کسر نہیں چھوڑی
پھر ذہن اور دل کے درمیان
خاموشی کا دورانیہ طویل ہو گیا
جواب بڑھتے بڑھتے گہری چپ میں تبدیل ہو چکا ہے
میری دادی نے کہا تھا کہ
زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے
اور اب مجھے بھی یقین ہو گیا ہے

☆☆☆

بے بسی

دل چاہتا ہے کہ بہت روؤں
اپنے اندر کی ساری گھٹن
سارا غبار آنسوؤں کی صورت دھو ڈالوں
کسی مہرباں کاندھے پر سر رکھ کر
اپنے دل کے بوجھ کو ہلکا کر دوں
اور اس بات کا اعتراف کروں
کہ
کوئی شدت سے یاد آ رہا ہے

☆☆☆

ڈینگو

وہ ایک مچھر
جو میرے کمرے میں گھس آیا تھا
موٹا، تازہ ڈینگو مچھر
کتنا ہنستے تھے آپ ڈینگو نام پر
اب بھی ڈینگو کا خیال
آپ کو خوب ہنساتا ہوگا
اور آپ کی ہنسی مجھے گُدگداتی ہے

☆☆☆

اصرار

پو پھوٹتے ہی
دل میں امید انگڑائی لیتی ہے
کاسہ میرا خیالی ہے
کہیں ایسا نہ ہو
کہ
یاد تیری دم توڑ دے
خدا کے واسطے
اِک بار ذرا آ جاؤ

☆☆☆

اُمید

امیدوں کا بوجھا کیسے ڈھوؤں!
دل کو خوب چھانا میں نے
مگر پھر بھی تیری امید
چھننی پر دری ہی رہی

☆☆☆

یاد

جانتی ہوں کہ
مجھے بھولے نہیں ہو
مجھے ہر لمحہ ہر پل
یاد کرتے ہو
کہ میری ہچکیاں بھی
صبح سے جاری ہیں

☆☆☆

ایک معصوم خواہش

امّو ! میں بڑی کب ہوں گی؟
میرے لمبے بال یہ کمر تک کب ہوں گے!
آپ جتنی بڑی کب ہوں گی میں؟
اُف او! ابھی تو بس آپ کے بازو تک ہی آپاتی ہوں
امّو ! میری ناک چھوٹی کیوں ہے؟
میری آنکھوں کا رنگ ایسا کیوں ہے؟
امّو ! اللہ میاں سے کہیں نا میری آنکھوں کا رنگ بھی
نیلا کر دیں
کیا میں آپ جیسی نہیں ہو سکتی؟
آپ تو بچّہ میرے ہی جیسی ہیں
میرا بچپن بھی بالکل ایسا ہی تھا
معصوم، چنچل اور فطرت سے قریب
پھر میں نے آگہی کا جام پی لیا

آپ کیوں میرے جیسی ہونا چاہتی ہیں؟
کیا یہ ممکن نہیں کہ میں واپس آپ جتنی بن جاؤں؟
چھوٹی، پیاری، گڑیا جیسی
بات بات پر روٹھ کر یہ چھوٹی سی ناک سکڑوں
آپ کی آنکھوں میں معصومیت کے کتنے، گہرے رنگ
ہیں
جب یہ رنگ جھلملاتے ہیں تو
تو آپ کتنی پیاری لگتی ہیں
آپ تو پریوں کے دیش کی شہزادی ہیں
بیٹا اللہ میاں سے کہیں نا
کہ اس بستی کے کواڑ میرے لیے پھر
ایک بار وا کر دیں
تا کہ میں دوبارہ فطرت سے ہم آغوش ہو پاؤں

☆☆☆

خاموش چاہت

وہ اپنے ہاتھوں سے میرے لیے
نوالے بنا بنا کر
میری پلیٹ پر ڈال دیتے ہیں
جب میں نفی میں سر ہلاتی ہوں
تو وہ اپنی آنکھوں میں
عجز وانکساری اور بے چارگی کی چمک پیدا کر کے
سر کو جنبش دیتے ہیں اصرار میں
میں چپ چاپ
ان کے ہاتھوں کے بنائے نوالے کو منہ میں رکھتی ہوں
اور یقین و بے یقینی
ایک معصوم سوال لیے اُن کی طرف
نظر اٹھاتی ہوں
میرے کھانے سے کیا اُن کا پیٹ بھر سکتا ہے؟

وہ شاید سمجھ جاتے ہیں میری بات
اپنی آنکھوں میں جمع پانیوں کو اپنے اندر اُتار کر
ہونٹوں پر مسکان سجائے
سر کو ہلکے سے اثبات میں خم دیتے ہیں
تو میری آنکھوں میں بھی خوب سارا
پانی جمع ہو جاتا ہے
میں فوراً نظریں اپنی پلیٹ میں گھاڑ دیتی ہوں

☆☆☆

فلسفۂ دِل

آج کی شام نے جونہی رات کی کالی ودبیز چادر اوڑھی
میرے اندر سناٹوں نے بھی اپنا مورچہ سنبھال لیا
آج پھر میرے اندر محاذ آرائی شروع ہونے والی ہے
جہاں ایک طرف میرے عقل وفہم اور تمام مثبت دلائل ہیں
دوسری طرف تن تنہا میرا دل
اپنے تمام تر سناٹوں واداسیوں سمیت تیار ہے
دونوں طرف طوفان سے پہلے کا سا سکوت چھایا ہوا ہے
اجلے اجلے، چمکتے دھمکتے ہوئے ستارے
اس اوڑھنی سے جھانکنے کی سعی لاحاصل میں لگے ہیں
اور چاند بھی اپنی اَدکھلی آنکھوں سے ماحول کا جائزہ
لینے میں مصروف ہے
مگر یہ کیا آج اس کی روشنی بھی تھکی تھکی سی لگتی ہے
یوں لگتا ہے

جیسے ایک طویل مسافت جھیلی ہو اُس نے
تبھی تو اس کی روشنی میں آج بیزاری ہے
ذہن نے اپنے قوتِ متخیلہ سے کئی بار دل کو مات دی
اور اس کو اس کی تمام تر کمزوریوں سمیت لتھاڑ
دیا
اور اب منتظر ہے کہ دل کوئی حماقت کر گزرے
کہ بہر حال پہل تو اسی کی طرف سے ہونی ہے
مگر یہ کیا!
دل تو اپنے آپ میں ہے ہی نہیں
وہ تو خود میں ڈوبا ہوا ہے
وہ ایک استفہام کی شکل بنا ہوا ہے
اس نازک مرحلے پر بھی وہ فلسفہ دانی کا بھرپور
مظاہر کرنے میں مشغول ہے
سمجھ میں یہ بات نہیں آتی
کہ باہر کے موسموں کا اس پر کوئی اثر کیوں نہیں ہوتا!
چاہے باہر کوئی بھی موسم کیوں نہ ہو
اس کا موسم ہمیشہ یکساں کیوں رہتا ہے؟
اُداسی و تنہائی کا موسم

سناٹوں اور پرچھائیوں کا موسم
ویرانیوں اور بیزاریوں کا موسم
ایسا کیوں ہے؟
کاش کوئی جواب ہوتا
اب کے ذہن بھی اس کی حالت پر متذبذب ہے
آخر دل نے ہی پہل کی
اور ذہن سے یہی بات دریافت کی
مگر بھلا ذہن بھی کہاں اس سوال کا جواب ڈھونڈ سکتا ہے
اور شاید اُسی وجہ سے
دل نے بغیر لڑے ہی
عقل و فہم کے تمام محاذ فتح کر لیے
کہ دل کا فلسفہ کبھی عقل کی سمجھ میں نہیں آیا ہے

☆☆☆

مِس میچ

آپ کا کہنا صحیح ہے
کہ ہم دونوں میں مطابقت نہیں ہو سکتی
ہم کس قدر مِس میچ ہیں
ہماری سوچوں کا محور مختلف ہے
ہماری قدریں
ہماری دلچسپیاں
ہمارے بول
ہمارے الفاظ
یہاں تک کہ لہجے ہمارے الگ ہیں
یہ ہماری معصومیت ہی تو ہے
کہ اب تک ایک ساتھ چل رہے ہیں
مگر کب تک
کبھی تو تھکیں گے

بہتر نہیں ہوگا
کہ تھکنے سے بیشتر ہی
ہم اپنی اپنی جہتوں کی اور نکل لیں
کیا پتہ کہ منزل مل ہی جائے
ہاں اگر ہم میں کچھ قدریں مشترک ہوتیں
تو اور بات تھی
پھر نہ تو منزل کی جستجو ہوتی
اور نہ ہی بھٹکنے کا خوف

☆☆☆

فلش بیک

سنو! ایک شوگر لیس آئیس کریم اور
ایک ہارڈ سافٹی لانا
کچھ وقفے بعد آڈر آیا
میں نے سافٹی منہ سے لگالی اور
سنبھل سنبھل کر کھانے لگی
اور آپ چمچ سے
جان بوجھ کر اپنی مونچھوں پر گرانے لگے
جب میں نے مسکراتے ہوئے مونچھوں کی طرف اشارہ کیا
تو ایک دم آپ نے بچوں کی طرح اپنا چہرہ میرے سامنے کیا
میں نے پرس سے 'ٹیشو' نکال کر آپ کی طرف
بڑھانا چاہا
تو آپ نے مزید اپنا چہرہ میری اور جھکا دیا
میں نے ایک پل کو اطراف میں دیکھا

اور پھر سنبھل کر آپ کی مونچھوں سے آئیس کریم صاف کی
آپ نے میرے ہاتھ سے ہارڈ سافٹی لے لی
اور میرے سامنے اپنا آئیس کریم کا باؤل رکھ دیا
اور آنکھ کے اشارہ سے کھانے کو کہا
میں نے پھر اطراف میں نظریں دوڑائیں اور خاموشی
سے حکم کی تعمیل کی
پھر تھوڑی دیر بعد آپ نے آئیس کریمیں بدل دیں
میں حیرانگی سے آپ کی طرف دیکھتی رہی
آپ کی عجیب منطق سننے کو ملی کہ
جھوٹا کھانے سے محبت بڑھتی ہے
تب سے ہم روز آئیس کریم کھاتے ہیں

☆☆☆

یاد

زندگی کتنی اچاٹ
کتنی بے کیف ہے
لمحہ لمحہ گزارنا کتنا کٹھن معلوم ہوتا ہے
دن بوجھل سے
راتیں بھاری ہوگئیں ہیں
اپنا آپ خود سے جدا
خود سے الگ لگنے لگا ہے
میری آنکھوں کے انتظار کی تھکن
اب میرے ہی وجود کو چُبھنے لگی ہے
کسی کا مسکراتا ہوا چہرہ
بارہا سامنے کھڑا ہوا ہے
اور جب میں نے اس کو جی بھر کر دیکھنا چاہا
تو وہ غائب ہوگیا

میں اپنی دیوانگی پر سوگوار سی ہنسی ہنستی
ہوں
کتنا مان تھا مجھے اپنی سمجھداری پر
مگر آج یہ بھرم بھی ٹوٹ گیا
آج تمہاری یاد کے کسی کمزور لمحے نے
میرے ضبط کے تمام بندھ توڑ ڈالے
اور میری آنکھوں سے صبر کے تمام
موتی چھلک کر بکھر گئے

☆☆☆

وہ آنکھیں

چھوٹی چھوٹی بھوری آنکھیں
جو بہت گہری ہیں
ان آنکھوں میں بلا کی ذہانت ہے
مگر ایک نامعلوم الجھن بھی ہے
ایک پل حسرتیں اور اُداسیاں جھانکتی ہیں ان سے
دوسرے ہی لمحے شوخ اور شریر ہو جاتی ہیں
وہ آنکھیں جو بظاہر خاموش ہیں
مگر ہر وقت بولتی رہتی ہیں
دل کا راز کھولتی ہیں
ان آنکھوں میں جب پانی جمع ہوتا ہے
تو یوں لگتا ہے کہ دنیا ڈوب جائے گی
مگر یہ پانی چھلکتا نہیں
بلکہ ٹھہر جاتا ہے
اور ٹھہرا ہوا پانی بہت گہرا ہوتا ہے

☆☆☆

کیوپیڈ

(CUPID)

آپ دیوی ہیں
بار ہا انہوں نے کہا ہے مجھے
اور میرے پاؤں کو چھو کر
اس دھول کو اپنی آنکھوں سے بھی لگایا ہے
مجھے بہت عجیب لگتا ہے
مگر نہ جانے کیوں میرا جسم سُن سا ہو جاتا ہے
میں چاہتے ہوئے بھی انہیں منع نہیں کر پاتی
اور وہ بھی کہتے ہیں کہ
مجھے نہ روکو
کہ
یہ میری عبادت ہے
عبادت!

بھلا کیسے کیا میں سچ میں
میں سچ میں دیوی ہوں؟
میری آنکھوں میں رومیو اور جولیٹ
کا سکین لہرانے لگتا ہے
جب جولیٹ نے کہا تھا
کہ
''رومیو کچھ مت کہو''
''بس خاموشی سے''
''اپنی سادھنا کرتے جاؤ''
''کہ محبت تو سادھنا ہی ہے''
تو کیا یہ بھی سادھنا کا ہی روپ ہے
یہ عبادت کا حصہ ہے
مگر یہ کیسی عبادت ہے
کیسی سادھنا ہے یہ؟
جو یک طرفہ سکون و راحت کا سبب بنتی ہے
میری عبادت کا کیا ہوگا؟
اگر میں دیوی ہوں
تب بھی میں تشنہ ہی ہوں

میری یہ تشنگی بھی یک طرفہ ہے کہ
انہوں نے تمام امرت محض خود ہی پی لیا
میرے حصے میں کیا آیا!
میں اُن کو یہ کیسے بتلاؤں کہ
وہ تو کب سے میری نظر میں Cupid
بنے ہوئے ہیں
اور اب عبادت میری بھی ضرورت
بن چکی ہے

☆☆☆

استفہام

میں جب بھی مل کر آتی ہوں
اپنا قیمتی سامان
آس پاس تمہارے چھوڑ آتی ہوں
گھر پہنچ کر لگتا ہے کہ
شاید خود کو بھی بھول آئی ہوں
ہر دفعہ کچھ خالی خالی محسوس ہوتا ہے
میں نے جب بھی ان گزرے لمحوں کو
اپنے حافظے میں لانا چاہا
کچھ یاد نہیں آیا
مگر تمہاری آنکھوں کا لمس میں اپنے چہرے
وجود کے ہر حصے پر محسوس کرتی ہوں
تمہارے عکس کا ایک ایک رنگ مجھ میں
نمایاں ہوتا ہے

تم ہنستے ہو تو میں مسکراتی ہوں
تمہاری آنکھوں کی اُداسی مجھے ملول کرتی ہے
تم باتیں کرتے ہوئے تو یوں لگتا ہے کہ
میرے جذبے بول رہیں ہوں
تم اپنے دل پر ہاتھ رکھتے ہو تو میری
دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں
تم خاموشی سے میری طرف دیکھتے ہو تو
میرے کان کھڑے ہو جاتے ہیں
بغیر کہے ہی میں بہت کچھ سُن لیتی ہوں
کیا یہ سب تمہارے ساتھ بھی ہوتا ہے؟

☆☆☆

سکون

آج پھر اُن کی آنکھیں ڈبڈبائی تھیں
آج پھر انھوں نے اپنا نچلہ ہونٹ
دانتوں میں داب کر ضبط کے باندھ مضبوط کر
لیے تھے
اور بے ساختہ میرا دل چاہا تھا
کہ میں اپنے ہاتھوں کے کٹورے میں
یک بار اُن کا چہرہ لے کر
اُن آنکھوں سے سارے دُکھ چُن لوں
نچوڑ لوں اُن اُداسیوں کو
جو ہمہ پہر لرزتیں رہتی ہیں
اور دھیرے سے اپنے لب
اُن تھکی تھکی پلکوں پر رکھ دوں
اپنی روح کی ساری ٹھنڈک اتار دوں
اُن کے بے سکون روح میں

☆☆

تعاقب

ارے سنو

جاتے جاتے اچانک پکارا تھا

جب میں نے پلٹ کر دیکھا

تو وہ کچھ متذبذب ہوئے

اور اپنے سنورے ہوئے بالوں میں

انگلیاں پھنسا کر ان کو بگاڑ دیا

کچھ نہیں، کہہ کر نفی میں سر ہلایا

اور لمبی آہ کھینچ لی

میں کچھ حیران

کچھ کھوئی کھوئی سی اُن کو دیکھتی رہی

اور سمجھ گئی

مجھے روکنے کا بہانا تھا

میں مسکراتے ہوئے واپس مڑ گئی
مگر اب میرے قدم بوجھل ہو گئے تھے
اور مجھے یوں لگا کہ
ان کی اداس آنکھوں نے دور تک میرا تعاقب کیا تھا

☆☆☆

نقطۂ عروج

میری سوچ کی دنیا
کتنی انوکھی ہے
اس پورے ماحول پر
پوری کیفیت پر
میرا اختیار ہے
جہاں میری مرضی کے بغیر
ایک سوئی بھی نہیں گر سکتی
یہاں مختلف و متضاد خیالات
پرواز میں رہتے ہیں
فکر و ادراک کے سایے جھلملاتے ہیں
میرے خیال کے ریشے پھیلتے اور سکڑتے ہیں
جہاں ہر ٹھوکر مجھے بہت کچھ سکھاتی ہے
مجھے بڑا کرتی ہے

معتبر بناتی ہے
کبھی مکمل کبھی بے تکمیلیت کے احساس سے دوچار کرتی ہے
تو کبھی درمیانی صورت کا تجربہ دے کر
میرے وجود کو بے معنی
نا قابل اعتبار بناتی ہے
اور یہی لمحہ
مجھے ناکامی کے درد سے گزار کر
شعور و آگہی کے نامعلوم راستوں پر ڈھال دیتا ہے
پھر پرت پرت ذہن کی گرہیں کُھل جاتی ہیں
روح کی کثافت دُھل کر
سامنے کا منظر صاف اور سچا ہو جاتا ہے
بے کراں راحت کا احساس جاگزیں ہوتا ہے
جو زندگی کو دبوچنے، مروڑنے اور پھنسائے رکھنے
والے سوالوں کے جواب ملنے پر
گتھیوں کے سلجھنے سے جو راحت ملتی ہے
اس سے بڑی راحت نہیں ہو سکتی
اس راحت میں لذت ہے
اور یہی میری سوچ کا نقطۂ عروج بھی ہے

☆☆☆

میری آنکھیں

میری آنکھیں بہت پسند تھیں تمہیں
کہ ان آنکھوں کی نیلاہٹ میرے وجود
کے اندر تحلیل ہو کر زحل کی خوش بختی
اور میری نحوست کو استمرار بخش رہی ہے
کہ میں اندر باہر نیل کی سیاسی میں
رنگ کر شو کا روپ دھارن کر چکی ہوں
اُس نے تمام جگ کا زہر پی لیا تھا
اور میں نے تمہاری نفرت کا

☆☆☆

ناٹک

زندگی رنگ منچ ہے
اور ہم اس کے کلاکار
جو ہر دن ڈراما کھیلتے ہیں
آئینے کے سامنے چہرے پر میک اپ کی پرت
چڑھاتے ہوئے
سین کے مطابق میں بھاؤ بھی سجا لیتی ہوں۔
کبھی ''تھیلہ'' تو کبھی ''ملپو مین'' بن جاتی ہوں۔
میرے ظاہر اور باطن کے درمیان تصادم چھڑ جاتا ہے۔
دنیا کا ازلی وابدی تصادم
اس تصادم کی کہانی کے درمیان
آٹھوں بھاؤ اور نورسوں کا اظہار ہوتا ہے۔
ہاسیہ' کرودھ' رودرا' ابدھ' شرنگار' ویرتا'
بھینکرا' بتستیہ اور شانت ___ تمام رس

ہمزاد

میرے اندر کوئی ہے
جو کٹا کٹا رہتا ہے
جسے کوئی دیکھ نہیں سکتا
جو ہنستا، مسکراتا بھی ہے
اور کبھی کبھی بے آواز
اندر ہی اندر روتا بھی ہے
جو بے بس ہے
مجبور بھی ہے
جو کبھی میرے ہی سایے کی
لرزش سے ڈر کر
دُبک کے
میرے ہی اندر چھِپ جاتا ہے۔

☆☆☆

میں نے جانا

جاناں
میں نے یہ جانا
کہ وہ تمہارے ہاتھ کا لمس
اب بھی میرے ہاتھ کی ہتھیلی پر
تازہ گلاب کے مانند کھل رہا ہے
میں جانے انجانے میں جب بھی
اپنے ہاتھ کو چھوتی ہوں
تو تمہاری خوشبو میرے اطراف پھیل جاتی ہے
اور میری آنکھوں میں
تمہاری یاد کی چمک
جاگ اٹھتی ہے
میں بے ساختہ اپنے دل کو تھام لیتی ہوں دونوں ہاتھوں سے
کیا کروں
کم بخت
ایک بار زور سے دھڑک کر
پھر ڈوبنے لگتا ہے

☆☆☆

نئی سچائی

سچ حقیقت ہے؟
میں حقیقت ہوں
یا
حقیقت کا سایہ!
یا میرا سایہ ہی میری حقیقت ہے!
اگر میں خود کو بدلوں
تو میرا سایہ بھی بدل جائے گا
مگر
یہ کیسے ممکن ہے؟
میں، میری بات میں سچائی ہے
لیکن
یہ سچی بات کتنی جھوٹی ہے!
کمزور اور بے سہارا بھی

میری سچائی چھوٹی ہے

حقیر ہے

اسی لیے گڑگڑاتی ہے

دوسری سچائی کے سامنے

جو بڑی اور طاقت ور ہے

اور اسی سے ایک نئی سچائی جنم لیتی ہے

پھر چمکتی ہے فانوس بن کر

جو سورج جتنا بلند اور روشن ہے

پھر دھیرے دھیرے کئی اور سچائیاں جنم لیتی ہیں

اور میری سچائی

میری حقیقت یا

پھر حقیقت کا سایہ

جو کبھی نہیں بدلا

دب جاتا ہے

میں جب بھی زندگی کے سنگین پردوں میں

گھس کر درد کی آنکھوں سے دیکھنے کے کوشش کرتی ہوں

تو

درد و کرب

زخم و کسک کو اپنا منتظر پاتی ہوں

اور تب یہ راز کھلتا ہے کہ

درد و زخم ہی سچا علم ہے

یہی وزڈم ہے

جو نئی سچائی کے ظہور کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔

☆☆☆

اَدراک

آج ایک ایسی حقیقت سامنے آئی
جو کریہہ اور خوف ناک ہے
مگر میں بالکل نہیں گھبرائی
نہ میں نے اپنا دامن چھُڑایا
بلکہ اطمینان سے
میں نے اس کے اندر دیکھا
انتہائی غور سے
بہت قریب سے
اس حقیقت کے سایے
پہلے بھی کئی بار میرے شعور کے پردوں پر لہرائے تھے
مگر میں نے کبھی غور نہیں کیا
پر اب میں بے خبر نہیں ہوں
جانتی ہوں کہ وہ میری زندگی میں اندھیروں کی

بدلیاں پیدا کر سکتی ہے

اور میں بھاگنے کے بجائے

اس اندھیرے سے بھی اپنا ایک شعوری رشتہ قائم کر چکی ہوں

کہ میں روشنی کی متلاشی ہوں

اس خوف ناک جنگل میں

روشنی کی کوئی کرن اب بھی کہیں موجود ہے

جسے فقط میرا ادراک ہی دیکھ سکتا ہے

اور میں اس کی ان دیکھی رہنمائی میں آگے بڑھ رہی ہوں

☆☆☆

دو کنارے

محبت ایک نہیں
دو نہیں
سہ بار ہو سکتی ہے
مگر نہ جانے ہر دفعہ اس کا دُکھ سوا کچھ ہو جاتا ہے!
محبت دکھ بھی ہے اور سکھ بھی
میں اس دکھ سکھ کی دھوپ چھاؤں میں ہر دفعہ ڈوبتی اور ابھرتی ہوا
مزے کی بات تو یہ ہے
کہ مجھے کبھی کسی دفعہ اظہار کا موقعہ ہی نہیں ملا
یا پھر مجھے کبھی خود کو ظاہر کرنا ہی نہیں آیا
کل بھی میری کیفیت کچھ یونہی ہوئی تھی
کہ میں سب کچھ بھول کر خاموشی سے تمہیں تکتی رہوں
ایک ہی زاویے میں اکڑوں بیٹھی تمہیں نہارتی رہوں
اور اس چاہت کو قطرہ قطرہ اپنے اندر اتارتی رہوں۔

تم نے کیا کہا؟
تم کیا بول رہے تھے؟
سچ پوچھو تو میں نے کچھ سنا ہی نہیں
میں بس ان لمحوں کو اپنے اندر اتار رہی تھی
پوری شدت کے ساتھ
اپنے حافظے میں اینٹ پر اینٹ رکھ کر
یادوں کی ایک خوب صورت عمارت تعمیر کر رہی تھی
تمہارے ہاتھوں کا لمس جو میرے ہاتھوں پر موجود تھا
اسے اپنے وجود کے اندر تحلیل کر رہی تھی
ایک پل دل میں خواہش نے اک چٹکی کاٹی
کہ ان ہاتھوں کو اپنی آنکھوں سے لگا لوں
اپنے لبوں سے چوم لوں
مگر.....
تمہاری نظریں میری نظروں سے ٹکراتیں
اور پھر پھسلتی، پھسلتے ہوئے میرے لبوں پر ٹھہر جاتیں
اور پھر مایوس ہو کر پلٹ جاتیں
تم نے کئی بار اضطراری حالت میں پہلو بدلا
تمہارے ہونٹ ہلے، تم کچھ کہتے کہتے رک بھی گئے

میں سب سمجھتی ہوں
بلکہ ہم دونوں سمجھتے ہیں
اور جانتے ہیں کہ
ہم سمندر کے دو کنارے ہیں
جو ساتھ ساتھ چل تو سکتے ہیں مگر
کبھی ایک نہیں ہو سکتے
سمندر میں اٹھنے والے طوفان کو ہم ہر روز
دو کناروں پر رہ کر دیکھتے ہیں
تکتے ہیں اور اس کے تھمنے کا انتظار بھی کرتے ہیں
اور پھر سر جھکا کر خاموشی سے آگے بڑھ جاتے ہیں

☆☆☆

پوورمین
(POOR MAN)

ایسی ہی تیز موسلا دھار بارش تھی
اس روز بھی
بادل گڑگڑائے
بجلی چمکی تھی
اچانک ہی
گھپ، گھنگور اندھیرا چھا گیا تھا
میں مزید خود میں سمٹ گئی
اور تم
تمہارا سینہ چوڑا ہو چلا تھا
تم اس بات کے منتظر تھے
کہ کب میں بجلی کی کڑک سے ڈر کر
تمہاری طرف لپکوں

تم نے بڑی آس سے پوچھا

''ڈر تو نہیں لگتا ہے؟''

میں نے تمہاری طرف دیکھے بنا

نفی میں سر ہلایا

میں سچ میں نہیں ڈری تھی

نہ بادلوں کی گڑگڑاہٹ سے

نہ بجلی کی کڑک سے

اور نہ تم سے

ذہن میں چھپاک سے ایک خیال کوندا

اور دل میں گدگدی ہوئی

لبوں پر مسکان پھیلی

اور پھیلتی ہی چلی گئی

مجھے افسوس ہوا

اور خوشی بھی

تمہارے منصوبوں کی ناکامی پر

میں نے زیرِ لب بڑبڑایا "Poor Man"

☆☆☆

کُلُ شَیُئً یَرُجِعُ اِلیٰ اَصُلِہٖ

دل چاہتا ہے
کسی سے نہ بولوں
پڑی رہوں کسی کونے میں
سر گھٹنوں میں دے کر
گہری سوچ میں گم ہو جاؤں
مگر حقیقت میں کچھ نہ سوچوں
خالی الذہن ہو کر
خلا میں تیرتی رہوں
اس جہاں سے دور
ہر فکر اور خیال سے آگے نکل جاؤں
بس آگے ہی آگے
اور پھر واپس اسی نقطے میں تبدیل ہو جاؤں
کہ کُلُ شَیُئً یَرُجِعُ اِلیٰ اَصُلِہٖ

☆☆☆

تم دستک تو دو

ہلکی سی آہٹ
دھیمی سی دستک
ایک اچھوتے احساس کی چاپ
میں روزا پنے دل کے کانوں سے سنتی ہوں
تو میرے جذبوں کوایک نئ حرارت
نئ توانائی مل جاتی ہے
میری دبی ہوئی چاہت انگڑائی لیتی ہے
آنکھوں میں روپہلے خوابوں کا عکس روشن ہوجاتا ہے
مگر تمہاری آنکھیں
تمہاری اُداس آنکھیں
جب میرے تخیل کے اُفق پراُبھرتی ہیں
تو مجھے بے حد ملول کرتی ہیں
تمہاری بے چینی اوراضمحلال مجھے بے چین کرتے ہیں

تم لمبی آہ کھینچتے ہو
تو مجھے گھٹن اور حبس کا احساس گھیر لیتا ہے
میری سانسیں دھونکنی کی مانند چلتی ہیں
دل چاہتا ہے کہ میں اپنی ساری خوشیاں
تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دوں
تمہارا ایک ایک دُکھ
اپنے آنچل میں چُن لوں
تمہاری آنکھوں سے ٹپکنے والا ایک ایک آنسو
اپنی انگلیوں کی پوروں میں لے کر اپنے بالوں میں جذب کر لوں
میں تم کو کیسے بتاؤں کہ
محبتوں کے دُکھ کتنے عظیم
اور کتنے عزیز ہوتے ہیں
بتاؤ میں ایسا کیا کروں؟
کہ تمہاری روح میں سکون و راحت کی
لہر سرائیت کر سکے
کہو تو پھر ایک بار اپنا ہاتھ
تمہارے بے چین دل پر رکھ دوں
کوئی ہلکا سا اشارہ
کسی اچھوتے احساس کی چاپ تو ہو
تم ذرا دستک تو دو

☆☆☆

میں مجبور ہوں

"میں شاید کھل کر بات نہ کر پاؤں"
"اچانک کسی بھی وقت فون رکھ سکتا ہوں"
"پلیز ناراض نہیں ہونا"
"میں مجبور ہوں"
"تم کو میری مجبوریاں سمجھنی ہونگیں"
"جی"
"کوشش کروں گی"
"تم شاید مصروف ہو؟"
"نہیں تو"
"میں مصروف تو نہیں ہوں"
البتہ
میں آپ کی مجبوریاں سمجھنے
اور ان سے سمجھوتہ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔

پہلے بھی کئی سال پہلے میں نے
کسی کی مجبوری کو سمجھا تھا
اور سمجھوتہ بھی کیا تھا
تب بھی کوئی مجبور تھا
اور آج بھی کوئی مجبور ہے
میں شاید تب بھی سمجھدار تھی

اور

اب بھی میں ناسمجھ نہیں ہوں۔

☆☆☆

تم مجھے کہاں پاؤ گے!

میری ذات کے علاقے میں
اندھیروں کی بدلیاں ہیں
تم اس دھند میں کہاں تک جاؤ گے
اور مجھے کیسے پاؤ گے
جب آگ لگی ہو سینے میں
تو ریشمی خرقے کو اُتار کر
جسم کی کینچلی سے نجات پانا ہی بہتر ہے
روح کی ساری تھکن
اضطراب کو جھاڑ دوں!
اپنے ہی وجود کے بے داغ جسم میں
سورج اُگا لوں یا
پھر اس تہہ خانے میں
دھنس جاؤں

پیوست ہو جاؤں

میری ذات کے تہہ خانے میں
تم بھلا کیسے داخل ہو سکتے ہو
میں فقط جسم نہیں
روح بھی ہوں
میں خود کو بانٹوں تو کیسے؟
اور جو رشتہ بانٹا نہ جائے
وہ بوجھ بھی ہے
الجھن بھی
اس مقام پر آ کر اب کیا کریں
جڑ جائیں یا.....
میری ذات کے علاقے میں
تم مجھے کہاں پاؤ گے!

☆☆☆

گھر کا بھیدی

زندگی کے سنگین پردوں میں جھانک کر
میں نے کئی سچ پا لیے
انہیں میں سے ایک سچ یہ بھی ہے
کہ سوائے خود کے میرا کوئی ساتھی نہیں
میں نے زندگی بھر کئی سانپ پالے
جن کو خلوصِ دل سے دودھ پلاتی رہی
مگر اس کے بعد بھی ان کے ڈسنے کی فطرت نہ چھوٹی
کیا فطرت سے مفر ممکن ہے؟
میں نے کس قدر غلط یقین پالے تھے
لگتا تھا کہ میرا خلوص، محبت، توجہ
کسی کی بنیادی فطرت بدل دے گی
میں نے ایک ازلی حقیقت سے منہ موڑ لیا تھا
مجھے تو رامائن سے ہی سیکھ لینا چاہیے تھی
میں کیسے بھول گئی کہ راون کی شکست کا سبب
وبھوشن ہی بنا تھا
گھر کے بھیدی نے ہی تو لنکا ڈھائی تھی

☆☆

سراب

تم نے ساتھ چلتے ہوئے کہا تھا
''نہیں رہ سکتا ہوں تمہارے بغیر''
میرے آگے بڑھتے ہوئے قدم تھم گئے
مسکراتے ہوئے لب بچ گئے
پل بھر کو میں، میری نظریں تم سے ٹکرائیں
تو تمہاری آنکھوں میں درد کے ساتھ
محبت کے بے شمار رنگ تھے
''میں سچ میں مر جاؤں گا''
تم نے سابقہ انداز میں دہرایا
میرے اندر کچھ ٹوٹا
میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا
''ایسا نہیں بولتے'' اور آگے بڑھ گئی
تم بھی لپک کر ساتھ ہو لیے

پھر اکثر تم یہی جملہ دہراتے رہتے
ہر دفعہ میں دکھ سکھ کی ملی جلی کیفیت سے
دو چار مسکرا کر ہنسی میں ٹال جاتی
اور تم شاکی نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے کہتے
''یاد رکھنا اس روز واپس گھر نہیں جا پاؤں گی
جس دن تمہاری
میری جیسی حالت ہوگی''
مگر ایسا کبھی نہیں ہوا
ہم ہر روز اپنے اپنے گھر کی راہ لیتے
اور پھر
ہم اپنے اپنے گھروں کے ہی ہو رہے
مجھے اکثر تمہاری باتیں یاد آتیں
تو پھر میرے اندر کچھ ٹوٹ جاتا
جس کی کرچیاں میرے احساس میں
چبھتی رہتیں
کچھ عرصہ بعد ہی مجھے اندازہ ہوا
کہ وقت بدل چکا ہے
اور بہت کچھ پیچھے چھوٹ گیا ہے

تم نے فون کرنا بھی بند کر دیا
اور مسیجز بھی کم کر دیں
میں شاید پاگل تھی
یا اپنی ہم جنسوں کی طرح بے وقوف
میرا دل ابھی بھی اسی جملے میں اٹکا تھا
''میں تمہارے بغیر مر جاؤں گا''۔
مگر تم جی رہے تھے
بلکہ ہم دونوں ہی جی رہے تھے
میں نے دبی زبان میں شکوہ کیا
تو تم نے کہا
''میں مجبور ہوں۔ بات نہیں کر سکتا''
میں نے تمہاری مجبوری کے ساتھ سمجھوتہ کیا
بقول تمہارے میں سمجھدار جو تھی
اس سمجھداری کی مجھے بڑی بھاری قیمت چکانی پڑی
میں نے تمہاری الجھنوں بھری بے ترتیب زندگی
میں ترتیب لانے کی خوب سعی کی
چپ شاہ کا روزہ بھی رکھا
اور

وظیفوں کا ورد بھی کیا
دل ودماغ کی آوازوں کو
باہم گڈمڈ کر کے دبا بھی لیا
اس امید پر کہ تمہاری الجھنیں شاید دور ہوں
اور تم کسی حد تک سنبھل بھی گئے
مگر تم پھر بھی مجبور تھے
اور میں سمجھدار
یا
شاید
اپنی ہم جنسوں جیسی
بے وقوف

☆☆☆

تم نے کچھ نہیں کہا

خاموشی کی مار کیا ہوتی ہے
یہ میں سمجھنے لگی ہوں اب
یا پھر تم نے سمجھا دیا ہے
تم نے وہ سب کچھ کہہ دیا
جو میں کب سے لاشعور میں
سن، دیکھ اور محسوس کر رہی تھی
تم نے میرے تمام خدشوں کو
سچ ثابت کر دیا
مگر
تم نے تو کچھ نہیں کہا
اور میں نے سب سن لیا

☆☆☆

چلو میں رات کے اس پار اُتر جاؤں

چلو میں رات کے اس پار اُتر جاؤں
جہاں میرا ماضی باہیں پسارے
میرا منتظر ہے
میں زینہ زینہ اُتر کر
دبے پاؤں وقت کے گھڑیال تک پہنچ جاؤں
جس پر بے شمار پل لٹک رہے ہیں
میں اس سے کئی پل اُتار لوں
کچھ لمحے بھی چُرا لوں
جو نہ جانے کب سے جھول رہے ہیں
میں ان تمام پلوں اور لمحوں کو اپنے آنچل میں سمیٹ لوں
جو کچھ مسکرا کر
کچھ بسوری صورت میں مجھے تاکتے ہوں
میں انہیں اپنی آنکھوں سے بھینچوں، اپنے دل سے لگا لوں

اس دُکھ سکھ کی ملی جلی کیفیت میں جب پیچھے پلٹوں
تو مجھے یاد آئے کہ
میرا ایک چھوٹا سا لمحہ تو چھوٹ چکا ہے
وہی لمحہ جس کو میں نے خود وقت کے گڑیال پر
ٹانک دیا تھا برسوں پہلے
میں اس لمحے کی خاطر ضرور پیچھے پلٹتی
مگر
جو ایسا کیا تو پتھر ہو جاؤں گی
جھنجلا کر، سر کو جھٹک کر جب آگے بڑھوں گی
تو میرے آنچل سے تمام پل اور لمحے گر کر بکھر جائیں گے
اور میں بھاری دل اور
مضمحل بھوجل قدموں سے واپس زینے کی اور بڑھ جاؤں گی
جہاں سورج کھیلا کرتا ہے
جانتی ہوں کہ یہ چھوٹا سا لمحہ کبھی ختم نہ ہوگا
میں دوبارہ وقت کے بھنور میں داخل ہو جاؤں گی!

☆☆☆

سہارا

اندر جھانک کے دیکھو ذرا
کون ہے وہاں؟
دل کا کواڑ کھولو
بیتر وہی سہما ہوا بچپن ہے
ذہن کے دریچوں میں
ڈر، خوف اور مایوسی کے پہرے ہیں
جواب بھی چہرے بدل بدل کر
سطح آب پر لہرا کر
ارتعاش پیدا کرتے ہیں
اور پھر دریا کی گہرائی سے
کئی بھنور ابھر کر
میری کشتی کو نگھلنے کی سعی میں شامل
ہو جاتے ہیں
اور میں ڈوبتی امید کو اچھالہ دے کر
خود کو دائروں کی زد سے بچاتے ہوئے
تنکے کے سہارے ساحل سے جا لگتی ہوں ☆☆

آخری سوغات

یہی وہ وقت ہے
جب ہمیں اپنی اپنی اناؤں کو
بچانے کی فکر کرنی چاہیے
کس نے کہا ہے!
کہ وفاؤں کو نبھانا لازمی ہے
یہ ایک ہاتھ کی تالی تو نہیں
وہ بیج جو ہمارے ہاتھوں نے مل کر
دل کی زمین میں بویا تھا
اور جس کی نگہداشت میں اولین
مجھ سے بڑھ کر آپ نے حصہ لیا تھا
اسے سرد و گرم
دھوپ کی تمازت سے بچانے کے لیے
اپنے وجود سے سایہ بھی کیا تھا

اسی پیار، خلوص اور لگن سے
بہت جلد پودے کی صورت میں ڈھل کر
اس نے ہمیں اپنے وجود کے خوشکن
احساس سے دوچار بھی کیا تھا
کہ ہم مسرور سے اسی کو نہارتے رہتے
مگر پھر نہ جانے کہاں سے
آندھی چلی
کہ جس کی زد میں وہ ننھا پودا بھی آیا
اس کی جڑیں بری طرح ہل گئیں
وہ جگہ جگہ سے اکھڑ گیا
میں نے خوب جتن کیے
کہ اسے سنبھالا دوں
میں نے ایک ہاتھ کی تالی بھی بجائی
مگر میری چاہت، خلوص اور لگن
اس کے لیے ناکافی ہے
میں اس کے سوکھنے پر
عجیب سے اضمحلال کی شکار ہو گئی ہوں
میں ایسا کیا کروں؟

کہ اس کی جڑیں پھر ایک بار مضبوط ہو جائیں
پر شاید یہ اتنا آسان بھی نہیں
میرا ہاتھ تالی بجاتے بجاتے تھک چکا ہے اب
مجھے بھی تو اپنی انا کو بچانے کی فکر کرنی چاہیے
پھر یہ کس نے کہا ہے
کہ وفاؤں کو نبھانا لازمی ہے۔

☆☆☆

نزع کی حالت

تمہاری آنکھوں کے آئینوں میں اپنا عکس تلاشا
دیکھا ہمارا رشتہ آخری سانسیں گن رہا ہے
صرف اک ہچکی باقی ہے
اور میں ان ٹھٹھری ہوئی شاموں میں
لاشعوری طور اس کی منتظر ہوں
میرے اندر کے تمام منظر دست بستہ
یکے بعد دیگرے میری آنکھوں کے سامنے متحرک ہیں
میں تمناؤں کی صلیب پر کب سے لٹک رہی ہوں
یہ منظر ہنسی کی کلکاریوں سے بھی گونج رہا ہے
اور آنسوؤں کی نمی جو
اضطراب تشنگی کا بین ثبوت بھی ہے
میرے وجود میں جذب ہو رہی ہے
شب کا نڈھال بدن

تمنا کا چاند افق افق چڑھتا ہے
اور دم بہ دم غروب بھی ہو رہا ہے
میں نے اپنی حد کی کبھی جو لکیریں کھینچی تھیں
اب تمہاری آنکھوں کے بدلے تیور
اس قدغنِ اظہار کو منہدم کرنے کے درپے ہیں
میرا دشمن میرے مقابلے کا نہیں
اور میں نیم آغوشی کی حالت میں
رنجِ طلب
اور تمناؤں کی تشنگی میں
گفتنی و ناگفتنی
کے درمیان
اپنے یقین کی گھٹن سے باہر نکلوں گی
اور کھل کر خود سے بات کروں گی
برسوں پہلے سنبھالے ہوئے آنسوں کو
کلیجے سے لگاتے ہوئے
آنکھوں سے چوم کر
بالآخر اسے قطرہ قطرہ بہنے دوں گی

☆☆☆

آگ کی بھوبھل

درد کے خارستان میں
تنہا کب سے سرگردانِ عمل
واماندگیٔ شوق کے ہاتھوں
مجبور
مہجور
سرگردانِ عمل
دلِ حزیں
ناپید ہواؤں کے دوش بدوش
محرومیوں کے بوجھ سے بوجھل
ساحلِ نایافت کی تلاش میں سرگردانِ عمل
اپنے دل کی دبی آگ میں پھُنک رہی ہوں
نقابِ ضبط کو چہرے پہ اپنے تان رہی ہوں
گنجان ہجر راتیں دبے پاؤں جھانکتی ہیں
تو دل تمہارے نام کی رٹ لگاتا ہے
اس نام کو بہت پہلے دل کے پردے پر گاڑھا تھا

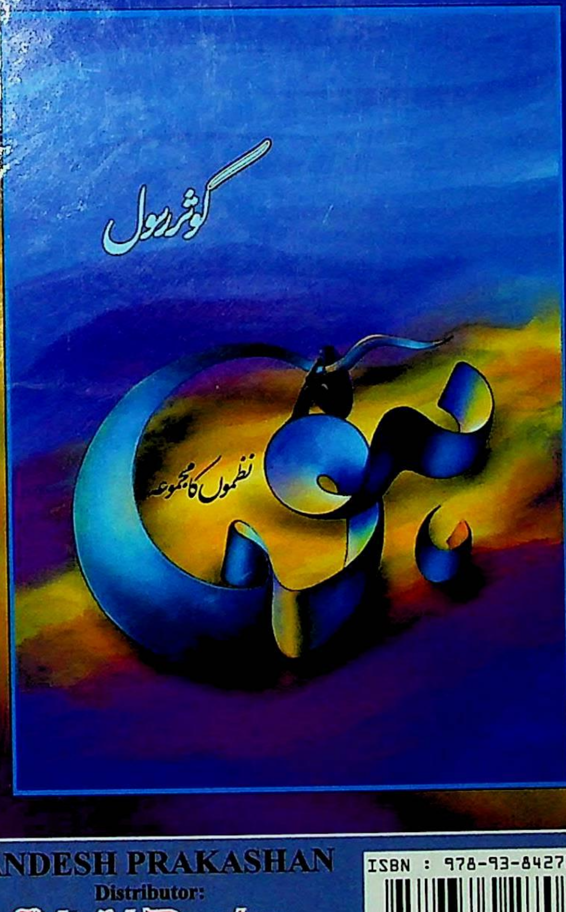
میں اس ربط کو استوار کرتی ہوں جو ہونے اور نہ ہونے کے درمیان جول رہا ہے
دلِ حزیں کے تمام منجمد زخم چٹکتے ہیں
تو اس بجھے الاؤ کو ہوا لگتی ہے
غم کی بے چاپ آہٹ
بے ہنگم شور کی مانند فضا کو پراگندا کرتی ہے
خوابوں کی اونچی منڈیروں پر
جب چاندنی اترتی ہے
میرے زخموں کو ہوا لگتی ہے
یہ ڈستی راتیں آہٹوں کی گونج بن کر
میرے ضبط کی نقاب کو الٹتی ہیں
صدائے بازگشت کی طرح
اس سکوت کو چیرتی ہیں
اور
اس آگ کی بھوبھل سے
دلِ حزیں پر بے شمار آبلے اُگ آتے ہیں
جنہیں میں بڑے جتن کے بعد
بالآخر اپنی انا کی سوئی چبو چبو کر پھوڑتی ہوں
اور ایک موہوم سی ہنسی ہنستے ہوئے اپنی آنکھیں موند لیتی ہوں۔

☆☆☆

HOON

by

Kausar Rasool



SANDESH PRAKASHAN

Distributor:

Kitabi Duniya

1955, Gali Nawab Mirza, Mohalla Qabristan,
Turkman Gate, Delhi-110006 (INDIA)
Mob: 9313972589, 8929421423, [illegible]
E-mail:kitabduniya@gmail.com
E-mail:kitabduniya@rediffmail.com

ISBN : 978-93-84270-39-1

9 789384 270391